پشتون

تالیف: ڈاکٹر حبیب اللہ تژی

مترجم: شوکت ترین

نام کتاب : پشتون

تالیف : ڈاکٹر حبیب اللہ توی

ترجمہ : شوکت ترین

سن اشاعت : 2004

تعداد : 1100

اہتمام : روز الدین غزنوی کوئٹہ

قیمت : 200 روپے

ناشر : غزنوی خپرندویه ټولنه

کندهاری بازار منان چوک کوئټه

انتساب

ڈاکٹر خدائے داد مرحوم کے نام

فہرست

*Please click on Title to go to that page

عرض مترجم

زیر نظر کتاب ڈاکٹر حبیب اللہ توی کی علمی اور سائنسی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا نام اگر اردو دان طبقے کیلئے نیا ہو مگر پشتو بولنے، سمجھنے اور لکھنے والوں کیلئے کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ مستند دلائل، حوالہ جات اور اسناد کی بنیاد پر تحقیق کے جدید اصولوں کی بنیاد پر لکھی گئی ہے، ہر بات نہایت مضبوط دلیل اور ثبوت کے بعد کہی گئی ہے۔

کتاب چونکہ پشتو زبان میں لکھی گئی تھی۔ لہٰذا پشتون تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے وہ محققین اور قارئین جو پشتو نہیں سمجھتے ہیں اُن کیلئے اردو کے قالب میں ڈالی گئی ہے۔

ترجمہ اگرچہ بذات خود ایک مشکل کام ہے۔ ہر زبان کی اپنی اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں۔ پھر ڈاکٹر صاحب جیسے عالم، فاضل اور سکالر شخص کی علمی ادبی اسلوب کو ترجمہ کرنا از بس مشکل کام تھا لیکن بفضل خدا یہ مشکل بھی مکمل کر سکا ہوں۔ البتہ تذکیر و تانیث اور دیگر قوائد کی بہت سی غلطیاں سرزد ہو چکی ہوں گی چونکہ میں ابھی زبان اور ادب کا طالب علم ہوں۔ لہٰذا امید واثق ہے کہ درگزر فرمائیں گے اور ساتھ ہی یہ امید بھی رکھتا ہوں کہ میری غلطیوں کے ساتھ ساتھ ضرور اپنی رائے سے آگاہ کریں گے۔

شوکت ترین

6 فروری 2004

کلی سیگی، تحصیل گلستان، ضلع قلعہ عبداللہ

پشتون اور قدیم متون

جدید افغان اور غیر افغان مصنفین نے معاشرے کے اس تاریخی دور کے حالات سے متعلق جو کہ اسلام کے اوائل سے لیکر بابر کی سلطنت تک جاری رہا ہے تسلیم شدہ قدیم اسلامی متون اور مستند اسناد کی بنیاد پر بہت کم لکھا ہے۔

افغانستان کے مورخین اور مؤلفین نے حتٰی کہ مختلف وجوہات کی بناء پر وہ اہم باتیں بھی نظر انداز کر دی ہیں جو کہ بابر کی یاداشتوں میں درج ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ افغان مؤلفین کی تالیفات میں حتٰی کہ روشنائی تحریک کی ابتداء تک پشتونوں کی اپنے ملک میں ان کے حالات سے متعلق مستند اسناد اور متون کی بنیاد پر اتنا کم مواد موجود ہے جو کہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

جدید افغانستان کی تاریخ کا ایک اہم مؤلف ورتن گریگورین اپنی لاثانی کتاب ''جدید افغانستان کا ظہور'' کے تیسویں صفحے پر پشتون معاشرے کے تاریخی مطالعے کی اس کمی کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''پشتونوں کی قدیم معاشرتی ماہئیت کو سامنے نہیں لایا گیا ہے''۔

سر اولف کیرو اپنی جامع تاریخ 'دی پٹھانز' میں صفحہ نمبر ایک سو اٹھارہ پر مزید فرماتے ہیں کہ ان چند صدیوں میں اسلامی متون اور اسناد میں اتنا کچھ درج نہیں ہوا ہے جس کی بناء پر پشتونوں کی معاشرتی زندگی اور حالات پر روشنی ڈالی جا سکے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''اس کے علاوہ وہ جو کچھ البیرونی نے (تاریخ ہند) میں لکھا ہے اور وہ اس ضمنی یاداشت کے سوا جو کہ چودھویں صدی کے سیاح البیرونی نے درج کیا ہے ان پانچ صدیوں کی تاریخ میں ''ان سرکش اور سخت جان'' لوگوں یعنی پشتونوں کے بارے میں بہت کچھ نہیں لکھا گیا''۔

لیکن پشتون معاشرے کی معاشرتی تاریخ کا ایک نامور مصنف مونسٹو راٹ الفنسٹن پشتون معاشرے کے مطالعے کی اس تاریخی مسئلے کی طرف بہت پہلے متوجہ ہوئے تھے

وہ اس تاریخی دور کی تحقیق کا مسئلہ یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ گویا قدیم اسلامی متون میں پشتونوں سے متعلق کچھ مواد نہیں ہے۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ قدیم اسلامی کتب میں پشتونوں سے متعلق بنیادی طور پر وسیع تحقیق نہیں ہوئی ہے۔ الفنسٹن اپنی اہم کتاب ''سلطنت کابل'' میں صفحہ نمبر ایک سو باون کے دوسرے نوٹ میں پشتونوں سے متعلق لکھتے ہیں کہ ''فارسی اور عربی تواریخ کا دقیق مطالعہ شاید ان لوگوں (پشتونوں) کے قدیم حالات کے بارے میں زیادہ معلومات دے سکے اور شاید وہ ہمیں یہ بتا سکیں ہم ان کے ملک سے متعلق تاریخ کو (سلطان) محمود غزنوی کے دور سے مطالعہ کریں البتہ بعض ضروری کتب کا حصول مشکل اور ان پر تحقیق بہت زیادہ وقت کا متقاضی ہے۔

الفنسٹن درست کہتے تھے اس لئے اس کے زمانے میں کیا حتّٰی کہ آج بھی وہ قدیم کتب اور اسناد آسانی سے دستیاب نہیں ہوسکتی ہیں جن میں پشتونوں سے متعلق مواد موجود ہے اور دوم یہ کہ یہ یاداشتیں ہزاروں صفحات کے درمیان اکثر دیگر مباحث کے ضمن میں کبھی کبھی متفرق طور پر درج ہوئی ہیں اور ان کی تحقیق درحقیقت ایک ناممکن امر ہے۔ شاید کہ ابھی تک اسی وجہ سے کسی نے اس طرف توجہ نہیں دی ہے کہ یہ یاداشتیں کافی تعداد میں یکجا کر کے ایک مجموعے کی صورت میں چھاپا جائے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ کسی کو ابھی تک اس قسم کے مجموعے کی ضرورت کا احساس نہ ہوا ہو۔

ہمیں یہ احساس پہلے ہوا تھا اور تقریباً تیس سال پہلے اسی وجہ سے ان متون کی تلاش شروع کی تھی جو اس تاریخی دور میں خود پشتونخوا میں پشتونخوا کے حالات پر روشنی ڈال سکے۔ ہم نے یہ متون اکثر مکمل ایمان داری سے یکجا کیے ہیں اور جس متن کے ترجمہ کی ضرورت پیش آئی ہے وہ مکمل احتیاط اور تقریباً لفظ بہ لفظ پشتو میں ترجمہ کیا ہے، ممکن ہے ان متون میں ایسے الفاظ بھی آئے ہوں جن سے کوئی ناراض ہوا ہو لیکن ہمارا ارادہ کسی کو ناراض کرنا نہیں تھا لیکن یہ چاہتے تھے کہ قدیم متون کے وہ مباحث اپنی اصل شکل میں بغیر کسی تعصب کے جتنا ممکن ہو کو یکجا کیا جائے جہاں بھی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے وہاں اس بات کا

خیال رکھا ہے کہ قطعی فیصلہ نہ ہو اور ہر بات مستند سند اور حوالے کی بنیاد پر ہو۔ لہٰذا یہ کتاب عمومی طور پر قدیم متون اور دوسروں کے اقوال کا ایک مجموعہ ہے۔

یہ کتاب بنیادی طور پر آٹھ ابواب پر مشتمل ہے آخری پانچ ابواب کا مکمل طور پر قدیم متون اور اسناد کی بنیاد پر تدوین کی گئی ہے، لیکن پہلے تین ابواب جدید مغربی مؤلفین کے نظریات اور آراء کی بنیاد پر لکھے گئے ہیں۔ ممکن ہے یہ تین ابواب خصوصاً اول اور دوم بعض لوگوں کیلئے بہت عجیب ہوں لیکن ہمیں یہ ایک مسلمہ حقیقت معلوم ہوئی ہے کہ یہ متون اور مباحث محققین کی آسانی کیلئے کچھ تفصیلاً ان متفرق حوالہ جات جن تک ہر وقت ہر کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی اور اکثر لوگ ان سے ناواقف ہیں کو یکجا کر کے ایک علیحدہ کتاب میں شائع کر دیا۔

مجموعی طور پر متون اور کتابوں کو یکجا کرنے میں میری شریک حیات 'مارجی' کا بہت بڑا ہاتھ ہے جب بھی میں امریکہ میں کسی بھی صوبے میں ان متون کو یکجا کرنے کیلئے کسی بھی لائبریری گیا ہوں مارجی بھی میرے ساتھ ہوا کرتی تھی اور اپنے شوق سے کتابوں کی فہرستوں کو تلاش کرنے، مغربی کتب اور مغربی زبانوں میں بالخصوص انگریزی میں ترجمہ شدہ مشرقی کتب کی تلاش اور ضروری یادداشتوں کو اکٹھا کرنے میں بہت دلچسپی اور شوق کا اظہار کیا ہے۔ درحقیقت یہ کتاب میں ہم دونوں کی مشترکہ کام کا نتیجہ سمجھتا ہوں، البتہ کسی بھی مرحلے پر کسی بھی غلطی کی ذمہ داری مجھ پر عائد ہوتی ہے۔

ہم نے یہ متون اور مطالب اکثر ان معروف کتب سے تحقیق کے مروج اصولوں کی بنیاد پر بہت غور اور اپنی اصل شکل میں بغیر کسی ذاتی غرض اور تبدیلی سے درج کئے ہیں لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ گویا ان متون اور مباحث کا ہر لفظ پتھر کی لکیر ہے اور اس سے مزید کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ بہت سی معتبر قدیم تالیفات میں ایسی باتیں درج ہوئی ہیں اور پھر مسلسل دوسری قدیم کتب میں نقل کئے ہیں کہ نتیجتاً بعض جدید تاریخوں میں در آئے

ہیں۔ جن کی دراصل ماہیئت افسانوی اور خیالی ہے اور حقیقت سے دور ہیں۔ اس بات کی سب بڑی دلیل یہ ہے کہ جس قدیم مؤلف نے جو کچھ لکھا ہے دیگر قدیم مؤلفین نے بغیر کسی تحقیق کے نقل کئے ہیں۔ اور بعد میں جدید کتب میں بھی درج ہوئے ہیں۔ مثلاً اگر ایک معروف قدیم عربی کتاب میں اس کے مؤلف جس نے تمام زندگی مغرب کے کسی ساحلی گاؤں میں گزاری ہو اور اس نے کبھی ہندوستان دیکھا تک نہ ہو، نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے شہر مدراس میں ایک شہزادی کے پر نکل آئے، اُڑی اور قفقاز کے پہاڑوں کو گئی یہ بات بعد میں دوسرے بہت سے قدیم مؤلفین نے بھی اپنی تالیفات میں لگا تار نقل کیا ہے۔ اور نتیجتاً بعض جدید تحقیقات میں دلیل کے طور پر استعمال ہوئی ہے۔

یہ تو ایک فرضی مثال تھی لیکن درحقیقت قدیم تاریخوں میں اس قسم کے بہت سے خیالی اور جعلی روایات موجود ہیں جو کہ کسی جدید تحقیق اور منطقی دلائل کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے۔ ایک مثال پشتون سے متعلق افغنہ اور قیس عبدالرشید کا افسانہ اور اس کی بنیاد پر پشتونوں کے نسب کا تشکیل شدہ شجرہ ہے جس سے علاقے کے قدیم اور بعض جدید تواریخ بھری پڑی ہیں اور پشتونوں میں بھی زمانہ قدیم سے زبانی طور پر مروج ہے۔ لیکن اگر یہ اور اس قسم کی بہت سی قدیم تاریخوں کے مباحث معاشرتی اور تاریخی تحقیق کے جدید اصولوں پر پرکھا جائے تو مجھے یقین ہے کہ اس کا افسانوی پہلو حقیقی پہلو پر ایسا غالب آئے گا کہ یہ تمام روایات ختم ہو کر رہ جائیں گی۔

پشتونوں اور ہمارے منطقے کے دوسری بہت سی اقوام کی قدیم معاشرتی زندگی سے متعلق واقعی اور حقیقی معلومات کو ثابت کرنے کے لئے ایک بنیادی اور ضروری شرط علمی، معاشرتی تحقیق کے اصولوں کی بنیاد پر قدیم تاریخوں اور تالیفوں کا گہرا مطالعہ ہے اس تحقیق کے ضمن میں مکمل طور پر ان کتب سے وہ حصے جن کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، کو مکمل طور پر الگ کر دیئے جائیں اور مزید معاشرتی اور تاریخی کتب کے صفحات کو ان سے پاک کر دیا جائے۔ ہم نے موجودہ کتاب میں بعض اہم نکات کے بارے میں مثلاً تواریخ حافظ رحمت

خانی میں یوسف زئیوں کی ہجرت کے دور اور پشتون خلجیوں اور ترک خلجیوں کے فرضی اختلاط کی روایت اور ایک آدھ دوسرے نکتے کے بارے میں بھی اپنے علم کے مطابق تنقید اور رائے کا اظہار کیا لیکن دیگر متون اور مباحث جس طرح ہیں اسی طرح رہنے دیئے ہیں کیونکہ ہمارے پاس مزید وقت تھا اور نہ ہی مزید صلاحیت۔

باب نمبر: 1

پشتونوں کی اصلیت اور نسب

پشتونوں کی اصلیت اور نسب کے بارے میں زمانہ قدیم سے قسم قسم کے روایات اور نظریات کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ روایات اور نظریات اتنے کثرت سے اور ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں کہ مشہور مستشرق اور پشتو شناس ھنری راورٹی کہتے ہیں "کسی بھی قوم کے اصلیت اور نسب کے بارے میں نظریات کا اختلاف اتنی زیادہ نہیں ہے جتنی افغانوں کی اصلیت اور نسب کے بارے میں ہے"۔....(1)

کسی نے پشتونوں کو انکے اپنے قدیم روایات کی بنیاد پر بنی اسرائیل کہا اور کسی نے پھر قبطین شمار کئے ہیں۔ کسی نے مغلوں میں شامل کئے ہیں اور کسی نے آرمینیوں، تاتاریوں، ھپتالیوں اور ساکانیوں کی صف میں کھڑے کئے ہیں اور کسی نے پھر بالخصوص راجپوتوں، برہمنوں، یونانیوں، ترکوں، عربوں اور دوسروں میں شامل کئے ہیں۔ لیکن پشتونوں کی اصلیت اور نسب کے بارے میں سب سے عام اور بہت قدیم روایت وہ ہے جو کہتے ہیں کہ پشتون بنی اسرائیل ہیں۔ بہت زیادہ قدیم تحریری سند جس میں میں نے یہ روایت دیکھی ہے وہ "ابوالفضل" کی "آئین اکبری ہے" جو کہ 1597ء تا 1598ء تک کے عرصے میں لکھی گئی ہے۔

ابوالفضل اپنی اصطلاح میں جب وہ کابل سرکار کے بارے میں بات کرتے ہیں تو پشتونوں کی اصلیت اور نسب کے بارے میں مختصر یاددہانی کرواتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ

''پشتونون کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کا قدیم جدامجد جس کا نام 'افغان' تھا اس کے تین بیٹے تھے جو سڑبن۔غرغشت۔اوبتن تھے۔

اس کے بعد وہ بڑے بڑے پشتون قبائل کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا نسبتی سلسلہ بھی انہی تین افراد تک پہنچتا ہے۔

ابوالفضل آخر میں یہ ذکر بھی کرتے ہیں کہ خلجی ،لودھی اور نیازی قبائل ایک قدیم روایت کی اساس پر کسی دوسری شاخ سے تعلق رکھتے ہیں ۔(2) اخوند درویزہ بھی ایک ایسی ہی روایت اپنی کتاب تذکرۃ الابرار و لاشرار میں جو کہ 1603ء اور 1613ء کے درمیانی عرصے میں لکھی گئی تھی میں مختصراً لکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''افغان مہتر یعقوب کی اولاد ہیں جو کہ اسرائیل کے نام سے موسوم ہیں، اسرائیل کا ایک بڑا جدامجد طالوت تھا، طالوت کے دو بیٹے تھے جن میں ایک کا نام آصف اور دوسرے کا افغان تھا۔افغانوں کا طائفہ اسی افغان کی اولاد ہیں جیسا کہ افغانوں کا مسکن کوہ سلیمان تھا، لہٰذا عربستان میں ان کو سلیمانی کہا جاتا ہے''۔(3)

البتہ وہ کتاب جس میں پہلی مرتبہ پشتونوں کی اصلیت اور نسب تفصیلاً بیان ہوئی ہے وہ نعمت اللہ ھروی کا'' تاریخ خان جھانی ومخزن افغانی'' ہے جو کہ 1612ء اور 1613ء تک کے عرصے میں لکھی گئی ہے، مخزن افغانی کی روایت کا خلاصہ یہ ہے۔

''ملک طالوت اسرائیل کا بادشاہ تھا لیکن اپنی موت سے بیشتر امور سلطنت مہتر داؤد کے سپرد کیئے سینتالیس (47) سال حکمرانی کے بعد کسی جھگڑے میں مارے گئے ملک کی دو بیویاں تھیں اور اس کی موت کے وقت دونوں حاملہ تھیں، کچھ عرصہ کے بعد دونوں کے ہاں بیٹوں نے جنم لیا مہتر داؤد جو کہ دونوں خواتین کے سرپرست تھے اس نے ایک بیٹے کا نام 'برخیا' اور دوسرے کا 'ارمیا' رکھا اور جب 'برخیا' کے ہاں بیٹا پیدا ہوا اس کا نام 'آصف' رکھا اور جب 'ارمیا' کے ہاں بیٹے نے جنم لیا اس کا نام 'افغنہ' رکھا۔

مہتر داؤد کے بعد مہتر سلیمان اسرائیل کا بادشاہ بنا اس نے مملکت کے نظم ونسق کے

امور آصف اور افغنہ کے سپرد کیئے ان دونوں بھائیوں خاص کر افغنہ کی اولاد جو کہ شام میں سکونت رکھتے تھے تعداد میں اتنے بڑھ گئے کہ گنتی سے نکل گئے۔ حضرت سلیمان کی موت کے بعد اسرائیل پر بُرے دن آئے، بخت نصر شام پر قابض ہو گئے۔ بیت المقدس تباہ کیا اور آصف اور افغنہ کی اولادوں میں دو سرکردہ اشخاص عزیز اور دانیال کو اپنے پیروکاروں سمیت نظر بند کیا بعد میں نصر نے اسرائیل کے بارہ (12) ہزار سرکردہ افراد قتل کیئے اور باقی آصف اور افغنہ کے ساتھ غور، کابل، کوہ فیروز اور کندھار کے آس پاس علاقوں میں دھکیل دیئے۔ افغنہ کی اولاد نے ان علاقوں میں رہائش اختیار کی۔

جب خالد بن ولید مشرف بہ اسلام ہوئے انہوں نے ان لوگوں کو مکتوب بھیجے اور پیغمبر اسلام کی بعثت کی خوشخبری سنائی اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور جب افغنہ کی اولاد کو خالد بن ولید کا مکتوب مل گیا، چند سرکردہ افراد مدینہ کی طرف روانہ ہوئے ان افراد میں بنی افغان کا سب سے سرکردہ رہنما جس کا نام قیس تھا اور جن کا سلسلہ نسب طالوت اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ تک پہنچتا تھا، ان افراد کو حضورؐ کے سامنے پیش کیا۔

حضورؐ نے ہر ایک سے نام پوچھا بنی افغان کے رہنما نے جواب دیا کہ اس کا نام قیس ہے حضورؐ نے جواب دیا قیس عبرانی نام ہے چونکہ ہم عرب ہیں لہٰذا آج کے بعد آپ کا عربیہ نام عبدالرشید ہوگا۔ عبدالرشید کئی جنگوں میں خالد کے سنگ بہادری سے لڑا اور خالد نے حضورؐ کو ان کی بہادری کے بارے بتایا، حضورؐ نے عبدالرشید کو 'بتان' کا لقب دی، 'بتان' جو کہ بعد میں پٹھان بنا، کشتی کے اس شہتیر کو کہتے ہیں جس پر کشتی کا انحصار ہوتا ہے۔ حضورؐ نے بعد میں عبدالرشید کو اپنے ہاں بلایا اور اس کے حق میں دُعا مانگی اور اپنے ایک صحابی اور کئی انصار کے ساتھ دوبارہ غور روانہ کیا تا کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں، قیس عبدالرشید جن کا ستاسی (87) سال کی عمر میں انتقال ہوا اُس کے تین بیٹے تھے، ایک کا نام سڑبنی، دوسرے کا بیٹ اور تیسرے کا غرغشت تھا۔

نعمت اللہ ھروی آخر میں کہتے ہیں کہ کرلانی قبائل کے سوا باقی تمام پشتون قبائل کا

سلسلہ نسب انہی تین افراد تک جا پہنچتا ہے اور تمام کی تشکیل انہی تین افراد سے ہوتا ہے اور کرلا نی قیس عبدالرشید کے دینی بیٹے کی اولاد ہے۔(4)

نعمت ھروی کے بعد بھی بہت سے واقعہ نگاروں اور حتیٰ کہ خود پشتون مؤلفین مثلاً افضل خان خٹک، حافظ رحمت خان، زردار خان اور قاضی عطاء اللہ خان نے پشتونوں کو بنی اسرائیل کہا ہے۔

البتہ مغربی مؤلفین اور محققین میں بنگال کے شہنشائی ایشیائی سوسائٹی کے چیئرمین سر ولیم جونز پہلا شخص تھا جس نے پشتونوں کی اصلیت اور نسب کی قدیم روایات کی طرف مغربیوں کی توجہ مرکوز کی اور ایک مختصر تبصرے میں اس طرح بتایا کہ شاید پشتون یہودالنسل ہوں۔

1784ء میں ایک انگریزی مصنف ھنری ونسیٹارٹ نے سر ولیم جونز کو ایک خط میں لکھا ''کچھ عرصہ پہلے میں نے اسرارالافاغنہ کے نام سے ایک کتاب حاصل کی جو کہ مولوی خیرالدین کی تصنیف ہے، جو کہ دراصل اس کتاب کا مختصر خلاصہ ہے، جو کہ حسین بن صابر بن خضر مرید حضرت شاہ قاسم سلیمانی نے پشتو میں لکھی ہے اگرچہ اس کو پشتونوں کی قومی اصالت کے حوالہ سے ایک واقعی تاریخ کی حیثیت سے قبول نہیں کیا جا سکتا اس کے باوجود اس کا انگریزی ترجمہ بھجوا رہا ہوں ممکن ہے آپ کی سوسائٹی کیلئے دلچسپ ہو''۔(5)

ونیسٹارٹ کا خط اور ترجمہ دونوں مارچ 1784ء میں ایشیائی ریسرچ سیل کی دوسری جلد میں چھپ گئی جو ترجمہ اس نے جونز کو بھیجا بنیادی طور اس روایت کی ایک مختصر شکل ہے جو کہ نعمت اللہ ھروی نے پشتونوں کی اصلیت اور نسب کے بارے میں لکھا تھا اور ہم نے پہلے اس کا خلاصہ بیان کیا۔ ولیم جونز نے وینسٹارٹ کے ترجمہ پر ایک مختصر تبصرے میں کہا ''ممکن ہے افغانوں کے بارے میں یہ بیان ایک دلچسپ انکشاف کا سبب ہو، ہمیں یہ معلوم ہے کہ اسرائیل کے دس (10) قبائل کچھ عرصہ کے بعد سرگردانی کے عالم میں ایک وطن جس کا نام 'ارسریت' تھا چلے گئے اور وہاں رہائش اختیار کی۔ اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ فارسی زبان کے

سب معتبر تاریخیں بتاتے ہیں کہ پشتون یہود النسل ہیں اور خود افغان بھی یہی کہتے ہیں حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ ان کے (افغانوں) کے قبائل بھی یہودی ہیں۔ اگرچہ افغانوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد بہت کوشش کی کہ اپنی اصلیت اور نسب کو چھپالیں البتہ پشتو زبان جس کا میں نے ایک لغت دیکھا ہے کلدانی زبان کے ساتھ بہت مماثلت رکھتی ہے اور (افغانوں) ایک وسیع علاقہ ھزارہ یا ھزارت کے نام سے موسوم ہے جونز آخر میں کہتے ہیں کہ ''میں پشتو زبان اور ادب کی تحقیق کی پُر زور سفارش کرتا ہوں''۔(6)

جونز ایک بہت بڑے سکالر اور وہ آدمی تھا جس نے پہلی مرتبہ 1786ء میں اس مضمون میں جو کہ ایشیائی سوسائٹی کے اجلاس میں پڑھ کر سنایا تھا، لاطینی، یونانی اور جرمانیکو زبانوں کے ساتھ سنسکرت کی تاریخی رشتے کو مسلمہ طریقے سے ثابت کیا اور اس کی اس تحقیق کو ایک ہم عصر عالم نے لسانی تحقیق کے ضمن میں چار نئے انکشافات میں سے پہلا بڑا انکشاف قرار دیا۔(7)

لہٰذا پشتو زبان اور ادب کی تحقیق کے بارے میں اس کی سفارش کلام الملوک کا ملوک الکلام کے مضمون 'پشتون اور پشتونوں کی تحقیق کی طرف مغربی تحقیق کی طرف توجہ مبذول کروائی اور بالخصوص پشتونوں اور پشتو کی اصلیت کی تحقیق کے بارے میں جونز کی تحقیق نے اسی قدیم روایت کو مذید تقویت دی جس نے پشتونوں کی اصلیت اور نسب کو بنی اسرائیل کہا تھا۔

جونز کے تبصرے کے بعد بہت سے مغربی محققین نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ افغان دراصل یہود ہیں، ان لوگوں میں سے بعض مثلاً جارج روز اپنے کام میں اتنے فعال تھے کہ اس ضمن میں مستقل کتابیں تحریر کیں، البتہ جس مغربی مؤلف نے سب سے پہلے اس سلسلے میں زیادہ کام کیا وہ الگزینڈر برنز تھا۔

برنز وہ انگریز ہے جس کو افغان 'برنس' کے نام سے جانتے تھے اور 1841ء میں اپنے بھائی اور ایک معاون کے ساتھ اس بغاوت میں مارا گیا جو کابل کے لوگوں نے قبضہ گر

انگریزوں اور ان کے ہمنوا شاہ شجاع کے خلاف کیا تھا۔ برنز اپنے اس سفر کا حال جو اس نے 1832ء میں اس وقت کے افغانستان اور بخارا تک کیا تھا۔ اس کتاب میں جس کا نام 'بخارا تک سفر' تھا لکھا تھا وہ کابل میں اپنے تحقیق کی بنیاد پر اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ پشتون بنی اسرائیل ہیں۔

جونز جو امیر دوست محمد خان کے بھائی نواب جبار خان کے ساتھ اس کے گھر میں رہتے تھے لکھتے ہیں" میں نے اُن زیادہ تعداد لوگوں کے ساتھ جو میرے میزبان کے گھر آتے جاتے تھے ملاقاتیں کی اور اس متنازعہ مسئلے کے سلسلے میں معلومات اکٹھا کرتا رہا کہ پشتون در اصل یہود ہیں۔ ان لوگوں نے مجھے اپنی کتب دیئے، لیکن میرے پاس پڑھنے کیلئے وقت نہیں تھا اور میں چاہتا تھا کہ مجھے زبانی معلومات دیں۔ برنز کہتے ہیں" افغان اپنے آپ کو بنی اسرائیل یا اسرائیل کی اولاد سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بخت نصر نے سقوط بیت المقدس کے بعد غور کے شہر میں رہائش اختیار کی..... بعد میں جب افغانوں کی روایت اور تاریخ کو انتہائی توجہ کے ساتھ لکھا میرے نزدیک اس سلسلے میں کوئی دلیل نہیں ہے کہ ان لوگوں کی بات مان لوں ممکن ہے تاریخی روایات کی ترتیب میں کچھ غلطیاں موجود ہوں اور بعض تاریخیں تورات کے متن سے مماثلت نہ رکھتیں ہوں، البتہ افغانوں کے چہرے یہودیوں جیسے ہیں اور خود بھی کہتے ہیں کہ یہود النسل ہیں۔ افغان یہودیوں کے ساتھ انتہائی سخت تعصب رکھتے ہیں اور کسی معقول دلیل کے بغیر اپنے آپ کو یہود کی اولاد نہیں سمجھتے ہیں جیسا کہ اسرائیل کے بعض قبائل مشرق کی طرف آئے ہیں تو ہم کیوں یہ مانیں کہ افغان ان کی اولاد ہیں البتہ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ (8) برنز نے کابل میں امیر دوست محمد خان کے ساتھ بھی اس مسئلے پر بحث کی اور امیر نے بھی یہ عندیہ دیا ہے کہ پشتون در اصل یہود ہیں۔

برنز اپنی ایک اور کتاب میں جو کہ 1843ء میں 'کابل' کے عنوان سے چھپی اور افغانستان تک اس کے ایک اور سفر کے (1836ء-1838ء) یاداشتیں ہیں' لکھتے ہیں کہ جب اس نے امیر دوست محمد خان سے پشتونوں اور یہودیوں کے قومی روابط کے بارے میں

پوچھا امیر نے اس طرح جواب دیا کہ ''ہم اپنے بھائی کی بیوہ سے شادی کرتے ہیں اور بیٹی کو میراث میں حصہ نہیں دیتے ہیں لہٰذا کیوں یہود نہ ہوں''۔(9)

(یہود اپنے مذہبی عقیدے کی بنیاد پر اپنے بھائی کی بیوہ کو کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کی اجازت نہیں دیتے ہیں اور بیٹی کو والد کی میراث میں حصہ دار نہیں سمجھتے ہیں)۔

ولیم مور کرافٹ بھی جو انیسویں صدی کے اوائل میں (1819-1825) اس وقت کے افغانستان میں گھومے ہیں، پشتونوں کو یہود جیسے گردانتے ہیں۔ وہ جب خیبر کے پشتونوں کے بارے میں بات کرتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ ''کہا جاتا ہے کہ اہل خیبر کی تعداد زیادہ ہیں اور پہاڑوں میں رہتے ہیں وہ پہاڑی لوگوں میں بہت دراز قد ہیں اور ان کے چہرے بالکل یہود جیسے ہیں''۔(10)

جب مور کرافٹ جمرود کے افریدیوں کے بارے میں مزید بات کرتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ ''اُن کا قاضی جو بالکل یہود جیسا دکھائی دیتا تھا چند عزیز و اقارب کے ساتھ پشور تک ہماری ملاقات کیلئے آیا تھا''۔(11)

چارلز میسن ایک اور قدیم انگریز سیاح ہے جنہوں نے پشتونوں کو اپنے سفرنامے میں یہود کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پشتونوں کی اصلیت اور نسب کے بارے میں اُن روایات تک رسائی حاصل کرنی چاہئے جو اُن میں خود چلے آرہے ہیں یا ان مورخین نے تحریر کئے ہیں جو ان کے بارے میں کچھ کہا ہے اس کے بعد وہ کئی روایات مختصراً لکھتے ہیں ''ایک اور روایت پشتون ان یہودیوں کی اولاد گردانتا ہے جو خلفاء کے ایک جنرل خالد کے ساتھ شامل ہوئے تھے ممکن ہے یہ روایت خیبر کے پشتونوں کے ضمن میں درست ہو وہ ایک ایسی جگہ رہتے ہیں جیسے عربستان کے ایک مورچے یا برج (خیبر) کا نام رکھا ہے ان پشتونوں کے بال کئی لحاظ سے یہودیوں کے بال جیسے ہیں اور اگر کوئی یہود دیکھ لیں تو ضرور انہیں ان پر اپنے عزیزوں کا گمان ہو جائے گا''۔(12)

ایک اور انگریز جنہوں نے پشتون علاقوں کا دورہ کیا اپنے مشاہدات کے نتیجے میں

اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ''افغان بالکل یہود جیسے دکھائی دیتے ہیں، وہ ایک منصبدار ہے۔ یہ منصبدار اس خط میں جو جنوری 1852ء میں لکھا گیا تھا لکھتے ہیں'' جیسے ہی اباسین پار کی تو دیکھا کہ لوگوں کے چہرے ہو بہو یہودیوں جیسے ہیں نہ صرف یہ کہ لوگوں کے چہرے یہودیوں جیسے تھے بلکہ تمام حالات بندے کو اس طرف توجہ دلاتے ہیں کہ ان کو یہودیوں کے دس (10) قبائل کی اولاد مان لیں وہ خود کو اسرائیل کہتے ہیں۔اور اس پر فخر کرتے ہیں جب ایسی صورتحال میں دیگر مسلمانوں کیلیئے اس سے زیادہ توہین کوئی نہیں ہے کہ ان کو یہود کہا جائے۔ (13) البتہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے پشتونوں اور یہودیوں کی اصلیت اور نسب کے بارے میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے وہ جارج روز ہے وہ اس کتاب میں جس کا عنوان'' افغان دس قبائل سلاطین مشرق'' ہے اور سال 1852ء میں چھپ چکی ہے کوشش کرتے ہیں کہ وہ دلائل اور اسناد کے ساتھ ثابت کرے کہ اسرائیل کے دس قبائل لاپتہ ہو گئے تھے اور اپنے اصل مسکن سے دور کہیں چلے گئے تھے۔اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ دس قبائل افغانستان گئے تھے اور پشتون انہی دس قبائل کی اولاد ہیں۔(14)

روز پشتونوں اور یہودیوں کے روابط کے بارے میں پہلے ان بیانات کو ثبوت کے طور پر نقل کرتے ہیں جو الیگزینڈر برنز نے پشتونوں کی یہودیت کے بارے میں اپنے سفر نامے میں لکھے تھے۔اور بعض اقتباسات ہم نے پہلے بھی نقل کیئے تھے روز برنز کی باتوں کو بہت معتبر سمجھتے ہیں اس کی ایک دلیل یہ سمجھتے ہیں کہ برنز امیر محمد دوست محمد خان کے بہت قریب رہے ہیں اور ان کے درمیان دوستانہ روابط تھے اور کابل میں امیر کے بھائی کے ہاں رہائش پذیر تھے لہٰذا نہ صرف افغانوں نے اپنی اصلیت اور نسب کے بارے میں زبانی معلومات دیں بلکہ اپنی کتب بھی دی تھیں۔روز اس کے بعد کہ برنز کے سفر نامے سے ان روایات کو نقل کرتے ہیں جن میں پشتون یہود گردانے گئے تھے۔''اس طرح ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ افغانوں نے برنز کو بتایا تھا کہ وہ مسلمان ہونے تک یہود تھے''۔(15)

روز اس کے بعد برنز کی باتوں کی تکرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر پشتون در

اصل یہود نہ ہوتے تو کبھی خود کو بنی اسرائیل نہ کہتے اس لئے کہ افغان دیگر مسلمانوں کی طرح یہودیوں سے بہت نفرت کرتے ہیں۔(16)

روز پھر کئی تاریخی واقعات بیان کرتے ہیں "پشتون ایک آزاد قوم کی حیثیت سے ان علاقوں میں رہتے ہیں جو تمام تر روایات زمانہ قدیم سے ان کا وطن سمجھتے ہیں وہ سلاطین فارس تھے اور سالہا سال ھند پر حکمران رہے ہیں، اس لئے روز کہتے ہیں کہ اس حوالے سے پشتون اسی اہل ہیں کہ ان کو سلاطین مشرق کہا جائے جبکہ یہودیوں کے قدیم ترین مذہبی کتاب میں ان کا ذکر موجود ہے۔(17)

روز نتیجے کے طور پر کہتے ہیں "مستقبل میں صرف خدا جانتا ہے........البتہ جمع شدہ شواہد کی بنیاد پر قرین قیاس یہ ہے کہ افغان اسرائیل کے لاپتہ دس (10) قبائل ہیں اور سلاطین مشرق ہیں"۔(18)

روز اس کے ساتھ ہی ان بعض محققین کی رائے جس میں کہتے ہیں کہ پشتون بنی اسرائیل نہیں ہیں کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی سخت مخالفت کرتے ہیں۔

روز آخر میں زبان کی یاد دہانی کرواتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ عجیب اتفاق نہیں ہے کہ پشتونوں نے اپنی اصل زبان عبرانی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہوں اس لئے وہ کہتے ہیں کہ جب گیارہ قبائل میں سے چند اپنے وطن اور لوگوں سے الگ ہو کر ایک اور وطن میں ایک بہادر اور گنجان عوام کے درمیان رہائش اختیار کر لی۔ وہاں یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ وہ اپنی زبان بھول جائیں روز اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک فاتح اور بہادر قوم بھی اپنی زبان نہایت آسانی سے بھول سکتی ہے۔(19)

ایک اور محقق جنہوں نے پشتونوں اور یہودیوں کی اصلیت کے مسئلے پر ایک الگ کتاب لکھی وہ پشتو زبان اور پشتون قبائل اور تاریخ کا محقق ھنری والٹر بیلو ہے اس کتاب کا نہایت خوبصورت اور طویل عنوان ہے، وہ یہ ہے کہ "افغانوں کے بارے میں ایک نیا سوال یا کہ پشتون درحقیقت بھی بنی اسرائیل ہیں یا کوئی اور" البتہ اس تحریر کے وقت ہمیں بیلو کی وہ

کتاب میسر نہیں آ سکی لیکن اس نے دو (2) اور کتابوں میں بھی جن میں ایک کا عنوان 'افغانستان کی قوم شناسی کا مطالعہ' اور دوسری کا 'طوائف افغانستان' ہے میں اس مسئلے پر بحث کی ہے، بیلو ان دونوں کتابوں میں ان قدیم روایات جو پشتون بنی اسرائیل سمجھتے ہیں کو نقل کرتے ہیں اور ضمناً یا صریحاً ان کے ساتھ اتفاق کا اظہار کرتے ہیں۔ بیلو اول الذکر کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ افغانستان اپنی قدیم روایات کی بنیاد پر ان اقوام کی صف میں شامل ہیں جنہوں نے اسلام رضا مندی سے قبول کیا تھا اور جیسا کہ وہ فخریہ خود کو بنی اسرائیل کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کو اس خطے کی دیگر اقوام سے پہلے قبول کیا تھا اس لئے ان کا اصل مذہب یہودیت اسلام کے بہت قریب ہے۔ (20)

بیلو دوسری کتاب میں بھی ان روایات کو قبول کرتے ہیں جو پشتونوں کی اصلیت اور نسب کے بارے میں عام ہیں اور ان کی تائید کیلئے بعض تاریخی شواہد کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ بیلو یہاں لکھتے ہیں کہ افغان خود کو بنی اسرائیل کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ درحقیقت بخت نصر کو شام سے قیدی کی حیثیت سے غور تک لے گئے اور وہاں سکونت اختیار کرائی گئی وہ کہتے ہیں اس بات کی اثبات تورات سے بھی ہوتا ہے اور اسرائیل کے وہ دس (10) قبائل جن کو قیدی بنایا گیا بعد میں فرار ہو گئے اور ملک ارسریت میں پناہ لی اور ارسریت آج کے علاقہ ھزارہ کو سمجھا گیا ہے۔

بیلو یہ بھی کہتے ہیں کہ طبقات ناصری میں روایت ہے کہ غور کا شنسبانی خاندان کی دوران حکمرانی اس جگہ ایک قوم آباد تھی جن کا نام بنی اسرائیل تھا اور بعض آس پاس کے ممالک کے ساتھ گہرے تجارتی روابط رکھتے تھے۔ (21)

اسی طرح بیلو بھی ان قدیمی روایات کو جو پشتون بنی اسرائیل گردانتے ہیں تائید کرتے ہیں البتہ وہ بعض پشتونوں کو بنی اسرائیل سمجھتے ہیں اور دیگر بہت زیادہ پھر دوسرے طائفوں مثلاً برہمنوں، راجپوتوں، جاٹوں، یونانیوں، ھپتالیوں، ساکانیوں یا سیستانیوں، مغلوں، ترکوں، عربوں، ارمنیوں اور دوسروں میں شامل کرتے ہیں۔

بیلو سب سے زیادہ پشتون قبائل اور قومیں راجپوتوں کے ساتھ شامل کرتے ہیں وہ راجپوتوں کی دود دستور، روایات، اخلاق اور بہت سے دیگر معاشرتی خصوصیات کی بہترین تفصیل پیش کرتے ہیں اور پشتونوں کے ساتھ مماثل سمجھتے ہیں۔

بیلو پشتونوں اور راجپوتوں کی اصلیت اور نسبی روابط کے ضمن میں اتنے آگے جاتے ہیں کہ بعض پشتون قبائل اور بعض قبائل کی اکثر شاخیں راجپوتوں کے ساتھ منسلک کرتے ہیں مثلاً وہ بیٹنی قبیلے کی شاخ خرشبون کو چون 54 شاخوں میں تقسیم کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ان اقوام کا تقریباً آدھے نام ''واضح طور پر راجپوت اور یا ہندی ہیں''۔(22)

ممکن ہے بیلو کے نظریات میں بعض ایسے کلمات بھی ہوں جن کی کچھ نہ کچھ اہمیت ہو، مگر اکثر نظریات اور دلائل ممکنات سے دور شکوک پر مبنی اور الفاظ کی بنیاد ایسی صوتی موازنات پر ہیں جو کہ لسانیات شناسی کے شعبے میں عام 'اشتقاق اللغہ' کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں اور آوازوں کے موازنے اور تاریخی مطالعے کے نقطہ نظر سے قابل اعتبار نہیں ہیں۔

بیلو نے تاریخی اور معاشرتی مطالعات کے اصولوں کو بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا ہے مثلاً جب وہ ایک پشتون قبیلے کے نام کو راجپوتوں، برہمنوں یا کسی اور قدیم قوم یا قبیلے کے نام کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو اس پشتون قبیلے کے تاریخی پس منظر پر بالکل بحث نہیں کرتے اور اس بات کی وضاحت نہیں کرتے ہیں کہ یہ پشتون قبیلہ کس وقت اور کب اس نام سے یاد کیا جانے لگا۔ نتیجتاً وہ ایسی بہت سی اقوام جن کے اسلامی نام ہیں وہ قدیم غیر اسلامی طائفوں میں شامل کرتے ہیں اور ان کے نام بھی صرف بعض سطحی شہادتوں کی بنیاد پر ان اقوام کے ناموں کے ساتھ مماثل سمجھتے ہیں اگرچہ اس ضمن میں کوئی دلیل اور ثبوت نہیں ہے کہ یہ اقوام کتنے سو سال سے ان ناموں سے موسوم ہیں مذید براں بیلو کبھی کبھی عجیب طریقے سے اپنا مطلب نکالتے ہیں مثلاً وہ طبقات ناصری کے حولے سے لکھتے ہیں کہ قدیم غور میں ایک قوم آباد تھی جس کا نام بنی اسرائیل تھا اور بعض افراد آس پاس کے ممالک سے وسیع تجارتی روابط رکھتے تھے۔ لیکن اس حوالے سے جو بات طبقات ناصری میں نقل ہیں اس کے کسی بھی حصے میں

موجود نہیں ہے کہ غور میں یہود کی کوئی قوم آباد تھی، طبقات ناصری میں صرف یہود کے بارے میں بات کی گئی ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

''غور میں ایک یہودی تھا جو کہ امیر بنجی کے ساتھ تھا ایک دن یہ یہودی جس نے بہت سے ممالک اوران کے فرماں رواؤں کے دربار دیکھے تھے اور درباری آداب سے واقف تھا امیر بنجی سے کہا کہ اگر میں ایسے طریقے بتادوں جس سے خلیفہ اسلام ہارون رشید کو خوش کر سکے اور وہ تمام غوران کے حوالے کر دیں تو مجھے اتنی سی جگہ مل جائے گی جس میں کچھ اسرائیلیوں کو آباد کر سکوں، امیر بنجی نے یہودی کے ساتھ یہ بات مان لی دونوں ہارون رشید کے دربار میں حاضر ہوئے، خلیفہ امیر بنجی کے سلوک سے اتنے خوش ہوئے کہ تمام غور اس کے حوالے کر دیا۔(23)

طبقات ناصری کی اس روایت کے ضمن میں دو باتیں قابل ذکر ہیں اول یہ کہ روایت بنیادی طور پر افغانستان کی حکایات اور کہانیوں میں شامل ہے جس کی چنداں اہمیت نہیں اور دوئم جو کہ طبقات ناصری واضح طور پر صرف ایک یہودی کا ذکر کرتا ہے اور کہتے ہیں کہ صرف اسی یہودی کی آرزو تھی کہ دیگر یہود بھی یہاں آباد کر سکے۔

ہنری راورٹی بھی پشتون یہودی النسل سمجھتے ہیں وہ اس کے مضمون میں جو کہ پشتونوں اور پشتو کی اصلیت کے بارے میں لکھا تھا اور 1854ء میں بنگال کے شہنشاہی سوسائٹی کے میگزین میں چھپا تھا اور پھر اپنے پشتو گرائمر نامی کتاب کے ساتھ بطور مقدمہ چھاپا ہے۔ میں طویل بحث کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پشتون خود اپنے آپ کو یہودی النسل کہتے ہیں، اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ مفہوم سدوزئی قبیلے کی ایک تاریخی کتاب میں جو کہ اپنے آخری اوقات میں اس کے ہاتھ آئی ہے اور جس کا نام تذکرۃ الملوک ہے بہترین انداز میں بیان ہوئی ہے۔

راورٹی کہتے ہیں کہ اس کتاب کی آٹھ جلدیں اور چھ سو چالیس (640) صفحات ہیں کتاب کے ہر صفحے میں سترہ سطور ہیں اور پشتو زبان میں لکھی گئی ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ

نہایت نایاب کتاب ہے راورٹی نے کتاب کے دیباچے اور مقدمے کو ترجمہ کر کے اپنی اس کتاب کے ساتھ اکٹھا کیا ہے۔تذکرۃ الملوک کے مقدمے میں ان روایات کی شاندار تفصیل موجود ہے جو پشتون بنی اسرائیل سمجھتے ہیں، راورٹی بعد میں اس مقدمے کی نقل کے بارے میں کہتے ہیں ''اس کتاب کے علاوہ جس کا میں نے خلاصہ یہاں نقل کیا بہت سی معتبر کتابوں میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ افغان درحقیقت اس ملک کے باشندے ہیں جس میں ابھی آباد ہیں بلکہ (قدیم زمانوں میں) مغربی ایشیاء سے بتدریج یہاں آئے ہیں اور یہ کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔ہو سکتا ہے بہت سے عوامل نے صدیاں گزرنے کے ساتھ ان کو مجبور کیا ہو کہ وہ بیت المقدس کے آس پاس علاقوں سے ہجرت کریں''۔(24)

راورٹی بعد میں اپنے پشتو لغات کے مقدمے میں زیادہ وضاحت اور قطعی طور یہ حکم صادر کرتے ہیں کہ پشتون بنی اسرائیل ہیں، وہ لکھتے ہیں۔

''مکمل غور وخوض کے بعد چاہتا ہوں کہ یہ نتیجہ اخذ کرلوں اس مماثلت سے جو کہ میں نے پشتو، سامی اور ایرانی زبانوں کے بیچ پہچان کیا اور وہ متعدد روایات جو اس بارے میں موجود ہیں اور حضرت یعقوبؑ کی اولاد کے ان دو دو دستور جو کہ یہودیوں کی جس کے پچیس (25) صدیاں گزرنے کے بعد بھی افغانوں میں رائج ہیں اس سے کہ ان کے (افغانوں) چہرے قطعی طور پر دوسری اقوام سے مختلف ہیں، ان کی (افغانوں) ضد اور سرکشی اور حتٰی کہ ایک دوسرے کے ساتھ غداری، تجارتی امور میں ان کی عقل مندی، مفادات کے ساتھ ان کی رغبت اور وہ متعدد شہادتیں جو اس بارے میں ہمارے پاس موجود ہیں کہ وہ تسلسل کے ساتھ مغربی ایشیاء سے آگے نکل گئے ہیں، میں چاہتا ہوں یہ نتیجہ اخذ کروں کہ افغان یہودیوں کے دس (10) قبائل کے بقایاجات ہیں۔(25)

یہودیوں کے انسائیکلوپیڈیا میں بھی یہ ذکر موجود ہے کہ پشتون اپنے قدیمی روایات کی بنیاد پر خود کو یہودیوں کے دس (10) گمشدہ قبائل کی اولاد سمجھتے ہیں اس کے بعد دائرۃ المعارف میں وہ مطالب بہت اختصار کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں جو بیلو نے غور میں

یہودیوں کی موجودگی کے بارے میں طبقات ناصری کے حوالے سے نقل کئے تھے اور ہم نے پہلے اس پر بحث کی۔

یہودیوں کی دائرۃ المعارف یہ بھی لکھتا ہے کہ کہا جاتا ہے۔ ''یہودیوں کی کلیسا جن کے کھنڈرات کابل میں موجود ہیں اس کی تاریخ بخت نصر کی زمانے کی ہے''۔(26)

بعض کتب میں پشتون قبطین اور فرعونی النسل گردانے گئے ہیں اور ابوالفضل کی آئین اکبری اسی ضمن میں پہلی لکھی ہوئی کتاب ہے جس میں اس قسم کی روایت نقل ہوئی ہے۔ ابولفضل جب اس کے اپنے قول کے مطابق سلطنت کابل کے مباحثوں میں پشتونوں کی اصلیت کے بارے میں بحث کرتے ہیں اس روایت کو یاد کرتے ہیں لیکن بے بنیاد سمجھتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

''بعض کہتے ہیں کہ پشتون قبطین ہیں اور جب بنی اسرائیل بیت المقدس سے مصر کی طرف کوچ کر گئے یہ لوگ (یعنی افغان) ہندوستان آئے یہ بڑی طویل بحث ہے اور مجھے یہاں صرف نظر کرتے ہوئے صرف اتنا کہنا چاہئے کہ یہ صرف ایک خیالی قصہ ہے''(27)

فرشتہ (مورخ) نے اس قسم کی ایک اور روایت ایک اور کتاب کے حوالے سے اپنی تاریخ میں لکھا ہے وہ لکھتے ہیں۔ ''میں نے مطلع الانور میں جو کہ ایک نامور مؤلف کی تالیف ہے اور مجھے دکن کے شہر کاندیش میں ہاتھ آیا پڑھا ہے کہ افغان فرعون الاصل قبطین ہیں جب حضرت موسیٰ نے اس کافر (فرعون) کو شکست دی اور بحیرہ .... میں تباہ ہوا بہت سے قبطین نے یہودیوں کے دین کو قبول نہیں کیا اور اپنے ملک سے ہندوستان چلے گئے اور کوہ سلیمان کے سلسلے میں آباد ہو گئے بعد میں افغانوں کے نام سے موسوم ہو گئے۔(28)

فریدالدین احمد بھی اپنے رسالے 'انساب افاغنہ' میں لکھتے ہیں کہ ایسی معیاری کتب مثلاً تاریخ افغانی، تاریخ غوری وغیرہ میں نقل ہوا ہے کہ اکثر پشتون اسرائیل ہیں لیکن بعض پھر قبطین ہیں''۔(29)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انساب افاغنہ کا ایک نسخہ معروف انگریز مورخ جان ملکم کے ہاتھ آیا تھا وہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں ''میرے پاس افغانوں کی تاریخ کا ایک قلمی نسخہ ہے، اس تاریخی کتاب کے مؤلف افغانوں کی تاریخ کے دور اور کتب جن میں سے ایک ''افغانوں کی تاریخ'' اور دوسرا '' تاریخ غور ہے'' کی بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں ان کتابوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ افغان حلفیہ خود کو مصر کے قبطین النسل شمار کرتے ہیں اور حلفیہ اسرائیل النسل''(30)

البتہ بعض تاریخوں میں بعد میں جو افغانستان اور ایران پر چنگیز کے حملوں کے بعد ان علاقوں کے حالات پر لکھے گئے افغان اور ایک دوسری قوم جو کہ 'جرما' بتایا گیا ہے اور معمولاً افغانوں کے ساتھ ساتھ اس کا ذکر ہوا ہے۔ مغلوں کے ساتھ خلط ملط ہو گئے ہیں۔(31)

ان کتابوں میں ایک قدیم کتاب محمود کتبی کی تاریخ 'آل مظفر' ہے جو بعض قلمی نسخوں میں حمد اللہ قزوینی کی تاریخ گزیدہ کے ساتھ نقل ہوا ہے اور 'تاریخ گزیدہ' کے ایک حصے کے طور پر مانا گیا ہے۔ 'تاریخ آل مظفر' سال 823ھ میں تصنیف اور 1335ھ ش میں عبدالحسین نوائی کی ہمت سے تہران میں چھپی ہے اس کتاب میں افغانوں اور مغلوں کو بالکل ایک دوسرے کے ساتھ مکس کیا، بہت دفعہ ایک ہی سمجھے گئے ہیں مثلاً یہ کہ ''عمادالدین محمود.......دارابجر کے علاقے میں ہر طائفے کے سپاہیوں کو اکٹھا کیا اور اوغانی اور جرمای مغلوں کو بھی دعوت دی''۔(32)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں ''اس وقت جب اوغانیان اور رمائینان روانہ ہونے والے تھے تو روزیوں نے جو کہ وہ بھی مغل؛ اور کرمان کے گرمیسر اور سردسیر میں آباد ہیں ان کے پڑوسی ہیں کبھی اپنے اخلاص کو نہیں چھپایا اس لئے وہ محفوظ رہ گئے''۔(33)

آخر میں لکھتے ہیں ''اوغانیان جالغ (34) پسند اور مغلوں کے رواج کے مطابق اُس کی پرستش کرتے اور بتوں کے نام قربانیاں دیتے''۔(35)

کے بقول کروسنسکی کی یاداشتیں ہیں کچھ فرق کے ساتھ آیا ہے۔

دوم یہ کہ وہ کتاب جس سے ہم نے یہ عبارت نقل کی ہے اس میں لفظ افغان اپنی اسی شکل یعنی 'افغان' تحریر ہے مگر دوسغ سیو کے فارس کے انقلابات میں لفظ 'افغان' کتاب کے شروع سے لیکر آخر تک 'اوغان' کی صورت میں تحریر ہے ممکن ہے اس بات کی دلیل یہ ہو کہ کروسنسکی بنیادی طور افغانوں کو ارمنین سمجھتے ہیں۔ ارمنین جس پر بعد میں مزید بحث ہوگی۔ زمانہ قدیم سے 'اغوان' کے نام یاد کئے گئے ہیں تیسرا یہ ہے کہ کروسنسکی کہتے ہیں کہ گوڈ تیمور نے (افغانوں) شیروان سے ایک ایسے ملک دھکیل دیئے گئے جو ھند اور فارس کے وسط میں واقع ہے۔ لیکن بعد میں اسی کتاب اور فارس کے انقلابات کی تاریخ میں وضاحت سے بیان ہوا ہے کہ یہ جگہ اسی افغانستان کا کندھار ہے۔

جن باتوں کا ذکر جارج کیپل نے اپنے سفر نامے میں جو سال 1824ء میں چھپ چکا ہے، کیا ہے ان کی ہیت سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گویا پشتون اور ارمین ہم نسل ہیں۔

وہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔ ''اگلی صبح ناشتے کے وقت گاؤں کا امام مسجد آیا اور فارسی میں میرے ساتھ بات چیت کا آغاز کیا، جیسے ہی امام کو پتہ چلا کہ میں ھند سے تشریف لایا ہوں تو اس کی اشتیاق میں اضافہ ہوا کہ افغانوں کے بارے میں معلومات حاصل کریں جن کے بارے میں اس نے سن رکھا تھا کہ ھند کے سب سے جنگجو لوگ ہیں اور اس کے قبیلے کو اپنے افغان ہونے پر فخر تھا'' کیپل بات جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

''صوبہ شیروان اور آس پاس کے لوگوں نے اپنی اصلیت اور نسب کے بارے میں اسی طرح کے سوالات پوچھے تھے جو قابل ذکر ہیں وہ اس لئے کہ وہ عام رجحان کے عین مطابق ہیں وہ یہ ہے کہ قدیم ھندی البانیہ (شیروان) کے ایک علاقے کے لوگ ھند کے ان تاتارین قبائل کی تشکیل کرتے ہیں جو کہ افغان کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں میری یاداشتوں میں ایک اقتباس ہے جو ایک ایسی کتاب سے نقل کی گئی ہے جس کا ابھی مجھے نام یاد

نہیں ہے وہ اقتباس یہ ہے ''قدیم البانیوں نے اپنی ملک ترکوں کے حوالے کی......اور انہوں نے خود افغانوں یا اس قوم کی تشکیل کی جو کہ ارمین انہیں اپنا بھائی سمجھتے ہیں البتہ اب زبانوں میں فرق ہے اور زبانوں کا یہ فرق آسانی سے واضح ہوتا ہے''۔(40)

بیلو بھی ایک جگہ افغانوں کو اصلیت اور نسب کے لحاظ سے ارمنین کے ساتھ شامل کرتے ہیں اور حتیٰ کہ لفظ 'افغان' بھی ارمنیوں کی لفظ 'اغوان' کی جدید شکل گردانتے ہیں وہ ''افغانستان کی قوم شناسی کا مطالعہ'' میں پشتونوں کے مختلف قبائل اور قوموں کی اصلیت اور نسب کے بارے میں طویل بحث کے بعد کہتے ہیں پشتون اپنی قدیمی روایات کی بناء پر قدیم یونانی مورخ ہیٹروٹس سے تقریباً ڈیڑھ صدی قبل اور قدیم یونانی جغرافیہ شناس سترابو سے تقریباً ساڑھے چار صدی قبل غور میں آباد تھے البتہ جن اقوام کا ان دو (2) یونانی مؤلفین نے اپنی کتابوں میں غور اور آس پاس اور قدیم آریانا کے دوسرے علاقوں میں ذکر کیا ہے۔ہم نے پشتونوں کی موجودہ قوموں کے ساتھ ناموں کی مماثلت اور مطابقت کی بنیاد پر سب کا سراغ لگایا مگر ان قدیم مؤلفین کی کتابوں میں کوئی بھی اس قسم کا قومی نام شامل نہیں ہے جن کا افغان کے ساتھ مماثلت اور مطابقت ہو حتیٰ کہ پشتونوں نے بھی اپنے قومی شجرہ نسب میں افغان کے نام سے کسی قوم یا ملت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ بیلو بات جاری رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عرب قبل اس کے کہ اپنی فتوحات کے سلسلے میں افغانستان تک پہنچیں 'اغوان' یا 'اوغان' کے نام کے ساتھ ارمنستان کے پہاڑی لوگوں کے مفہوم سے واقف تھے جب پشتونوں کے پہاڑی ملک 'غور' تک پہنچے پشتونوں کو 'اوغان' یا 'افغان' یعنی پہاڑی لوگوں کے نام سے یاد کئے البتہ بیلو کہتے ہیں کہ یہ امکان بھی ہے کہ غور کے اپنے پشتون اوغان نے عربوں کے پہنچنے سے قبل 'افغانوں' کے نام سے یاد کیئے ہوں اور پھر عربوں نے بھی انہی نام سے یاد کئے ہوں۔

بیلو کہتے ہیں کہ اگر یہی بات ہو تو بندہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ غور کے باسی بنیادی طور پر ارمنستان سے آئے ہوئے 'اغوان' تھے اور یہودیوں اور غور کے مقامی باشندوں کے ساتھ مل کر ایک واحد معاشرے کی تشکیل کی ہو۔(41)

بیلو اس ضمن میں 'پشتون' اور 'پشتونخوا' کے کلمات پر عالمانہ طور پر طویل بحث کرتے ہیں اور اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ لفظ 'پشتون' اصلاً فارسی کے لفظ 'پشتہ' سے نکلا ہے وہ کہتے ہیں جیسا کہ پشتون 'پشتہ' یا پہاڑوں میں رہتے تھے لہٰذا 'پشتون' یا پہاڑی لوگوں کے نام سے یاد کئے گئے اور ان کے ملک کو پشتونخوا یعنی پشتونوں کا ملک کہا جانے لگا لیکن بیلو کی یہ تعبیر اس کی اپنی ذہن اور تصور کا پیدا کردہ ہے۔ چونکہ ہم جانتے ہیں کہ فارسی میں پہاڑ کو پشتہ نہیں کہتے ہیں بلکہ 'کوہ' کہتے ہیں اور کئی قدیم ایرانی زبانوں میں بھی یہی لفظ تقریباً اسی شکل میں آیا ہے مثلاً پہلوی میں یہ لفظ کوف KOF اوستا میں کوفہ Kaofa اور قدیم فارسی میں کوفہ Kaufa ہے۔(42)

پشتو میں البتہ 'کوہ' کو غر کہتے ہیں اور افغانستان کے بعض علاقوں کے ناموں میں بھی 'غر' یعنی پہاڑ کا نمونہ کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے مثلاً گردیز، غرجستان یا غرشستان، غور وغیرہ۔ اگر زمانہ قدیم میں پشتونوں کے ہمسایوں یا ہم وطنوں نے چاہا ہو کہ پشتونوں کو پہاڑی لوگوں کے نام سے یاد کریں تو یقیناً ان کو کوہستانیوں، غرستانیوں یا گرستانیوں یا کوئی اور نام دیتے جس میں 'کوہ' یا 'غر' (پہاڑ) یا 'گر' کا نمونہ ہوتا اور پشتونوں کے وطن کو بھی کوہستان یا غرستان یا اس قسم کے کسی اور نام سے پکارتے۔

چند دیگر مغربی مصنفین نے بھی یہ مؤقف تسلیم کیا ہے کہ افغان ارمنین ہیں۔(43) البتہ ان سب کے مؤقف کی بنیاد وہ روایت ہے جو کہ کروسنسکی کی یادداشتوں میں موجود ہے اور جس میں کہتے ہیں کہ پشتون گوڈ تیمور کے زمانے میں ارمنستان سے افغانستان کے علاقے کندھار بھیجے گئے ہیں۔

معتبر تحریری اسناد کروسنسکی کے اس دعویٰ کی مکمل طور پر نفی کرتے ہیں یہ اسناد جن کی تفصیل اس کتاب کے باب چہارم میں موجود ہے انتہائی تفصیل کے ساتھ اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ تیمور کے حملوں کے دوران پشتون موجودہ افغانستان میں ایک آباد قوم ہے اور تیمور نے کئی دفعہ حملے کئے ہیں اور بہت قتل کئے ہیں حتیٰ کہ بعض قدیم اسناد مثلاً بیرونی،

عتمی ،ابن اثیر اور بعض دیگر تحریریں اور غزنویوں کے دور کے بعض شعراء کے اشعار یہ ثابت کرتے ہیں کہ پشتون گوڈ تیمور کے زمانے سے کئی سو سال قبل موجودہ افغانستان کے بعض علاقوں سے لیکر اباسین کے کنارے تک آباد ہیں۔ آخر میں ثابت کریں گے کہ وہ ان علاقوں میں اتنے قدیم زمانے سے آباد ہیں یعنی تیمور سے بہت پہلے ایک خوبصورت اور وسیع علاقہ ان سے منسوب ہے اور افغانستان کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

بعض مغربی مصنفین پشتونوں کو ارمینوں کے ساتھ ساتھ گرمینوں کے ساتھ بھی شامل کرتے ہیں ان میں سے ایک Clairut کلیورٹ ہے کلیورٹ کہتے ہیں کہ اس کو ایک جوزف نامی گرجی نے کہا ہے کہ افغانوں کا یہ مؤقف ہے کہ حضرت نوحؑ کے بیٹے یافث کے تین بیٹے ارمن، اغوان اور کردون تھے اور ارمینن، اغوان اور گرجین بالترتیب ان کی اولاد ہیں اور اغوان ارمنستان سے سلیمان کے پہاڑوں میں بھیج دیئے گئے اور موجودہ افغان قوم کی تشکیل کی ہے۔ (44)

یہ اور اس قسم کے دیگر نظریات جن کا اب تک ذکر کیا گیا ہے بنیادی طور سب کی بنیاد یا قدیم روایات ہیں یا عام مشاہدات حتیٰ کہ کوئی اصولی اور سائنسی تحقیق جو کہ پشتونوں کی تاریخ، زبان اور معاشرتی خصوصیات کے بارے میں انیسویں 19 صدی کے اوائل کے بعد ہوئی ہے۔ ان کے نتیجے میں یہ نظریات مسترد ہوئے ہیں، جدید تحقیقات پشتون اصلیت اور نسب کے لحاظ سے ارین اور ہندو یورپین خاندان کے اس اعلیٰ شاخ کا فرد مانتے ہیں جو ہندو ایرانی کے نام سے موسوم ہیں۔

پہلا مغربی مؤلف جس نے پشتونوں کی اصلیت اور نسب کے بارے میں قدیم روایات کی سختی سے تردید کی وہ منسٹورٹ الفنسٹن کی مشہور کتاب Kingdom of Kabul 'سلطنت کابل' جو کہ 1814ء میں لکھی گئی ہے جو کہ پشتون معاشرے کے بنیادی مطالعے کی ضمن میں ایک ایسی جامع اور نفیس کتاب ہے جس کا ابھی تک کوئی ثانی نہیں دیکھا جا سکا ہے۔ الفنسٹن نے اپنی کتاب میں ایک باب پشتونوں کی اصلیت اور نسب کیلئے مختص کیا

ہے اس باب میں ان روایات کا ذکر کرتے ہیں جو پشتونوں کو بنی اسرائیل سمجھتے ہیں اور مزید کہتے ہیں کہ اس روایت کے غلط ہونے کا ثبوت اسی روایت میں موجود ہے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ یہ روایت ساول (ملک طالوت) کو حضرت ابراہیمؑ کی پینتالیسواں 45 پشت گردانتا ہے اور قیس کو ساول کا سینتیسواں 37 پشت سمجھتا ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ ان میں سے پہلے کی کتاب مقدس تورات کے ساتھ قطعی مماثلت نہیں ہے اور دوسرے کو عقل تسلیم نہیں کرتی اس لئے کہ صرف سینتیس (37) پشتوں سے سولہ سو سال (1600) کا عرصہ نہیں بنتا۔ (45)

الفنسٹن یہاں ولیم جونز کے اس مباحثے کا بھی ذکر کرتے ہیں جو ایشیائی تحقیق کے رسالے میں ونسٹارٹ کے ترجمہ کردہ اور جس کا اس باب میں پہلے ذکر آیا ہے۔ الفنسٹن وہ چار دلائل جو جونز نے اپنے دعویٰ کے ثبوت کے طور پر پیش کئے ہیں باری باری سب کو مستند دلائل کے ساتھ رد کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''افغانوں اور یہودیوں کے رسم و رواج کے مابین بہت سی مماثلتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن اس قسم کی مماثلتیں مختلف اقوام کی معاشرتی زندگیوں میں عام ہیں، اور اگر یہ دلیل قوموں کے درمیان ایک جیسے ہونے کی دلیل ہو تو پھر ممکن ہے کہ تاتارین، عرب، جرمن اور رشین سب ایک ہوں۔ (46) اس طرح الفنسٹن یہ نظریہ کہ پشتون بنی اسرائیل ہیں کی مکمل تردید کرتے ہیں۔

الفنسٹن یہاں اس نظریہ کی بھی تردید کرتے ہیں کہ پشتون 'قفقاز' ہیں وہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں ''ایک سے زیادہ یورپین نے اس نظریئے کا بھی اظہار کیا ہے کہ افغان قفقازیوں کا قبیلہ اور بالخصوص ارمینوں کی اولاد ہیں لیکن خود پشتون بھی اپنے آپ کو ارمنیوں کی نسل سے نہیں سمجھتے البتہ ارمنین ہمیشہ یہ کہتے ہیں۔ الفنسٹن کچھ تفصیلات کے بعد لکھتے ہیں۔

''مجھے اس ضمن میں کوئی دلیل نظر نہیں آتی کہ افغانوں کو مغربی قفقازیوں کے ساتھ شامل کروں البتہ ایک جرمن جس کا نام یاد نہیں یہ کہتے ہیں کہ گزشتہ صدی میں یہاں کچھ افغان دیکھے ہیں لیکن یہ بات کسی قسم کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ (47)

جان ملکم بھی تاریخ فارس میں اُس روایت کو مسترد کرتے ہیں جس میں کہتے ہیں

کہ پشتون بنی اسرائیل ہیں اور لکھتے ہیں'' کسی قسم کی ایسی کتاب کی دریافت نہیں ہوئی ہے کہ اس نظریے کی تائید کرتی ہو کہ پشتون یہود النسل ہیں اور ان کا اپنا مبہم روایت ایک ایسی موضوع میں مسلمہ حقیقت کے طور پر قبول نہیں کی جا سکتی۔(48)

البتہ جس مغربی مؤلف نے پشتونوں کی اصلیت اور نسب کے بارے میں پہلی دفعہ وسیع منظم تحقیق کی اور نتیجتاً پشتونوں کی اصلیت اور نسب کے بارے میں عام روایات رد کئے وہ عظیم مستشرق اور علوم انسانی کے عظیم سکالر برناڈ ڈرون ہے جنہوں نے اپنی علمی زندگی کے ایک بڑے حصے کو پشتونوں کی زبان اور تاریخ کے مطالعے کیلئے مختص کیا ہے۔

ڈورن نے اپنی دیگر علمی خدمات کے ساتھ خواجہ نعمت اللہ ھروی کی'' تاریخ خان جہانی ومخزن افغانی کو انگریزی میں ترجمہ کر کے 1836ء میں لندن سے شائع کیا ہے۔اس نے اس ترجمہ شدہ کتاب میں بہت اہم اور مضبوط یاداشتیں تحریر کی ہیں اور کتاب کے ساتھ بطور ضمیمہ شامل کئے ہیں۔ڈرون اپنی یاداشتوں کے ایک حصے میں اُس روایت کے متعلق جو پشتونوں کو بنی اسرائیل سمجھتا ہے کے بارے میں لکھتے ہیں۔کہ فارسی زبان کے مورخین پشتون یہود النسل سمجھتے ہیں یہ اس بات کے علاوہ کسی اور بات کا ثبوت نہیں ہو سکتا اور یہ کہ یہ مؤلفین روایات کو ان کی ماہیت معلوم کئے بغیر اپنی منشاء کے مطابق مسلمہ حقائق کے طور پر تحریر کرتے ہیں۔(49)

اس طرح ڈارون کہتے ہیں کہ جیسا کہ افغانوں اور یہودیوں کے ناموں میں مماثلت ہیں اس کی دلیل یہ ہے افغان مسلمان ہیں مسلمانوں اور یہودیوں کے بہت سے ناموں کا تاریخی اور قومی منبع مشترک ہے اور یہ کہ افغان یہودیوں کے بالکل ہم شکل ہیں یہ بھی اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ پشتون یہود النسل ہیں۔ڈورن اس بات کی اثبات کیلئے جان ملکم کی اس عبارت کو نقل کرتے ہیں کہ'' دو اقوام کے درمیان چہروں کی مماثلت اس بات کا ثبوت ہو سکتا ہے کہ وہ ہم النسل ہوں تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ کشمیری بھی اپنی شکلوں کی بناء پر یہود النسل ہوں اس لئے کہ بہت سے مغربی مؤلفین کشمیریوں کو بھی بالکل یہودیوں کے ہم

شکل کہتے ہیں''۔(50)

ڈورن اس روایت کے بارے میں جس میں کہتے ہیں کہ پشتون بیت المقدس کے آس پاس علاقوں سے افغانستان گئے ہیں، کہتے ہیں کہ پشتون کسی دوسرے ملک سے افغانستان نہیں گئے ہیں جس طرح سر ولیم جونز کا کہنا ہے ''قدیم پاروپامیزاد (یعنی وسطی افغانستان اور آس پاس کے علاقے) کے حقیقی اور مقامی باشندے ہیں'' ڈارون کا کہنا ہے ''تاریخ نے ثابت کیا ہے کہ سلطان محمود غزنوی کی حکمرانی میں اس سے بہت پہلے (افغان) ان قلعوں میں آباد تھے جن میں ابھی تک آباد ہیں۔(51) کئی معتبر اسناد جن کا ذکر اس کتاب کے باب چہارم میں تفصیل سے موجود ہیں ڈارون کے اس دعوے کی تائید کرتے ہیں۔

ڈورن وہ روایات اور نظریات بھی رد کرتے ہیں جو پشتونوں کو ارمنین کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر بندہ ارمنی اغوانوں کی تاریخی سوابق سینٹ مارٹن کی ''ارمنستان کی یادداشتیں'' نامی کتاب میں پڑھ لیں تو فوراً اس بات کا قابل ہو جائے گا کہ ارمنی اغوان اور پشتون یا افغان ایک نہیں ہیں بلکہ وہ قطعی طور پر الگ الگ اقوام ہیں۔(52)

ڈارون مغربی مؤلفین کا یہ نظریہ بھی جس میں کہتے ہیں کہ پشتون بنیادی طور پر گرجین ہیں اور گرجی زبان بولتے ہیں کو بے بنیاد قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ناقابل غور ہے۔(53)

ڈورن آخر میں پشتونوں کو ہندو یورپین اقوام کے اعلیٰ خاندان کے افراد سمجھتے ہیں لیکن خاص وقت پر ایک علیحدہ قدیم قوم سمجھتے ہیں اور لکھتے ہیں ''میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ افغان اس اعلیٰ خاندان کے افراد ہیں جن کے ساتھ جرمنوں، ہندوستانیوں، سلوانیوں اور یونانیوں کا تعلق ہے، مگر جیسا کہ ہمارے پاس اس کے لئے کوئی تاریخی شہادت نہیں ہے کہ ثابت کریں کہ یونانی یا جرمی ہندوستانی النسل ہیں اس طرح یہ بھی یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ افغان قدیم فارسیوں یا ہندوستانیوں کی اولاد ہیں۔(54)

اس ضمن میں ڈارون اور جان میلکم تقریباً ہم خیال ہیں میلکم بھی کہتے ہیں کہ

''افغانوں کی عادات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فارسیوں، تاتاریوں اور ہندوستانیوں سے الگ اور جدا لوگ ہیں۔(55)

یہ تھیں وہ قابل ذکر روایات اور نظریات جو پشتونوں کی اصلیت اور نسب کے بارے میں مشرقی اور مغربی کتب میں ہماری نظر سے گزرے تھے، یہاں جتنا ممکن ہو سکتا تھا مختصراً لیکن ایسی صورت میں کہ مفہوم بدل نہ جائیں، نقل کئے۔

آخر میں کہنا چاہئے کہ جدید دور میں محققین کسی قوم کی اصلیت اور نسب معلوم کرنے کا سب سے بہتر طریقہ اسی قوم کی زبان کی اصلیت اور جڑوں کی ماہیت اجاگر کرنا سمجھتے ہیں اور پشتو زبان کے بارے میں بھی اس سلسلے میں کافی تحقیق ہوئی ہے لہٰذا ہماری کتاب کا اگلا باب انہی تحقیقات کی ایک جھلک ہے۔

ماخذات وحوالہ جات

(1) راورٹی ہنری پشتو گرائمر مقدمہ صفحہ 4

(2) ابوالفضل آئین اکبری صفحہ 406-407

(3) درویزہ آخوند۔تذکرۃ الابرار والاشرار صفحہ 83-84

(4) هروی نعمت اللہ تاریخ خانجہانی ومخزن افغانی جلد اول صفحہ 63-115

(5) ونسٹارٹ، ایشیائی تحقیقات جلد دوئم صفحہ 67 سال 1784ء

(6) ایضاً ایضاً

(7) راہنز ،زبان شناسی کی مختصر تاریخ صفحہ 134

(8) برنز الیگزینڈر، بخارا تک سفر جلد اول صفحہ 162-164 لندن 1834

(9) برنز، کابل صفحہ 109 (لاہور دوم ایڈیشن 1961 اول ایڈیشن لندن 1834)

(10) مورکرافٹ، ولیم۔سفر جلد دوم صفحہ 353

(11) ایضاً صفحہ 348

(12) میسن چارلز، مختلف سفروں کی یادداشتیں جلد اول مقدمہ صفحہ 41-42

(13) روز جارج افغانز۔دس قبائل اور مشرقی سلاطین صفحہ [illegible]

(14) ایضاً صفحہ 1-24

(15) ایضاً صفحہ 27

(16) ایضاً صفحہ 31

(17) ایضاً صفحہ 42-43

(18) ایضاً صفحہ 43

(19) ایضاً صفحہ 35-36

(20) بیلو افغانستان کی قوم شناسی کا مطالعہ صفحہ 190

(21) بیلو، طوائف افغانستان صفحہ 15

(22) بیلو، افغانستان کی قوم شناسی کا مطالعہ صفحہ 13-14

(23) منہاج الدین، طبقات ناصری، انگریزی ترجمہ راورٹی، جلد اول صفحہ 313,314

(24) راورٹی، افغانوں کی اصلیت اور نسب کے بارے میں کچھ مباحث ایشیائی سوسائٹی بنگال کا میگزین سال 1854ء نمبر 6

(25) راورٹی، پشتو ڈکشنری مقدمہ صفحہ 11-12

(26) یہودی دائرۃ المعارف صفحہ 223-224

(27) ابوالفضل، آئین اکبری، انگریزی ترجمہ جلد دوم صفحہ 407

(28) فرشتہ، محمد قاسم، تاریخ فرشتہ، ترجمہ برگز جلد اول صفحہ 4

(29) ڈورن برناڈ، تاریخ افغانستان، یاداشتیں صفحہ 64 حاشیہ 1

(30) ملکم جان، تاریخ فارس جلد اول صفحہ 596

(31) افغانستان اور آس پاس کے ممالک پر مغلوں کے حملوں اور تسلط کے بعد افغانستان کے گرمیسر اور آس پاس کے علاقوں میں مغلوں نے کسی نہ کسی شکل میں

حکمرانی کی ہے اور علاقے کے لوگوں میں گھل مل گئے ہیں اور اپنی افواج اور لشکر میں بڑی تعداد میں مقامی لوگ خصوصاً پشتون شامل کئے ہیں، علاقے کے مؤلفین اور مورخین کی تحریروں سے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ افواج کے اکثر مرحلوں پر رہنما مغل ہیں، لیکن دیگر فوج میں اکثر افغان ہیں جیسا کہ برناڈ ڈارون نے اندازہ لگایا ہے یہ قرین قیاس ہے کہ یہ اختلاط اس بات کا سبب بنا ہو کہ کئی مؤلفین افغان اور علاقے کے بعض دیگر لوگ مثلاً جرمائین بھی مغل سمجھیں بذات خود افغانوں کی اصلیت اور نسب کے ساتھ عدم واقفیت نے ان مؤلفوں کے فیصلوں کو متاثر کیا ہے۔

کہنا چاہئے کہ ان مؤلفین کی کتابوں میں افغان اور جرمائین لگاتار ساتھ ساتھ ذکر ہوئے ہیں اور جہاں تک مجھے معلوم ہے جرمائیوں کی اصلیت اور نسب کے بارے میں تاحال کوئی قابل ذکر تحقیق نہیں ہوئی ہے۔

(32) کتبی محمود تاریخ آل مظفر صفحہ 44

(33) ایضاً صفحہ 32-33

(34) اس لفظ کا مفہوم میں نہیں سمجھتا اور نہ ہی تاریخ آل مظفر کے مہتمم نے اس ضمن کچھ کہا ہے۔

(35) کتبی تاریخ آل مظفر صفحہ 73

(36) میر خواند، تاریخ روضۃ الصفا جلد چہارم صفحہ 474.

(37) ڈارون، تاریخ افغانز، یاداشتیں صفحہ 66-67

(38) ایضاً ایضاً

(39) کروسنسکی، ایک سیاح کی یاداشتیں صفحہ 21-23

(40) کیمپل جارج، سفرنامہ جلد اول صفحہ 203-204

(41) بیلو، افغانستان کی قوم شناسی کا مطالعہ صفحہ 204-207

(42) برھان محمد حسین، برھان قاطع، جلد سوم صفحہ 1739
بہ اہتمام ڈاکٹر معین تھیران 1362 ھش

(43) ڈورن تاریخ افغانز صفحہ 71

(44) الفنسٹن، سلطنت کابل صفحہ 154-156

(45) ایضاً صفحہ 156 حاشیہ 2

(46) ایضاً صفحہ 157

(47) ایضاً ایضاً

(48) ملکم جان، تاریخ فارس، جلد اول صفحہ 597

(49) ڈورن، تاریخ افغانز صفحہ 65

(50) ایضاً صفحہ 72

(51) ایضاً ایضاً

(52) ایضاً صفحہ 66-71

(53) ایضاً صفحہ 79

(54) ایضاً صفحہ 72

(55) ملکم جان، تاریخ فارس، جلد اول صفحہ 597

باب نمبر: 2

پشتو کی اصلیت اور بنیاد

جب بندہ ان روایات اور نظریات پر نظر دوڑاتا ہے جو پشتو کی اصلیت اور بنیاد کے بارے میں مختلف کتابوں میں موجود ہیں تو راورٹی کے ساتھ ضرور متفق ہو جاتا ہے کہ ''پشتونوں کی زبان کی اصلیت اور بنیاد کے بارے میں بھی اختلاف رائے اُس سے کم نہیں ہیں جو کہ خود پشتونوں کی اصلیت اور نسب کے بارے میں ہیں'' (1)۔

پشتو کو کسی نے دیوتاؤں کی زبان قرار دیا ہے کسی نے سامی زبان کی طرف لے جانے کی کوشش کی ہے اور کسی نے ھندوایرانی زبانوں کے عظیم درخت کی ھندی شاخ کے ساتھ مربوط گردانا ہے۔ اور کسی نے ایرانی شاخ کے ساتھ اور کسی نے پھر پشتو کو اصلاً ساکانیوں اور سیستانیوں کی زبان کہا ہے اور کسی نے ھندوایرانی زبانوں کے مابین ایک مستقل زبان اور رابطے کی کڑی سمجھا ہے۔ مؤلف تذکرۃ الملوک (2) کہتے ہیں کہ بعض روایات میں پشتو دیوتاؤں کی زبان ہے وہ لکھتے ہیں!

''بعض روایات ہیں کہ افغانوں نے اپنی زبان دیوتاؤں سے سیکھی ہے، بعض دیگر کہتے ہیں کہ یہ کوہ سلیمان کے باسیوں کی زبان ہے، افغانوں کی یہ عادت تھی کہ ان لوگوں کی بیویوں اور لڑکیوں کو ان سے زبردستی لے جاتے اور ان کے ساتھ شادی کرتے لہٰذا ان سے پشتو سیکھی اور اپنی زبان ابراہیمی (عبرانی) بھول گئے'' (3)۔ وہ مطالب جو پشتو کی اصالت کے بارے میں مغربی مؤلفین نے نقل کئے ہیں ان میں بھی بعض تذکرۃ الملوک کے

افسانوی روایات سے کسی طور بھی کم نہیں ہیں۔ ہنری راورٹی لکھتے ہیں ''پشتو زبان کے افعال اور ضمائر کی خصوصیات اور بعض دیگر باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک عجیب اور قدیم زبان اور ہر معلوم زبان سے الگ ہے''۔(4)

راورٹی کہتے ہیں کہ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ پشتون بنیادی طور پر یہودیوں کے دس (10) گمشدہ قبائل کے بقایا ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جس وقت یہ قبائل فلسطین کے یہودیوں میں آباد تھے وہاں ان کی زبان چند دیگر قبائل کی زبانوں کے ساتھ شامل ہوگئی۔ جب یہ قبائل اپنے اصل ملک سے ان کے موجودہ ملک افغانستان کی طرف رواں تھے راستے میں ان کی زبان بعض بہت سے دیگر ممالک کی زبانوں کے ساتھ شامل ہوگئی۔ جیسا کہ یہ راستے میں پڑنے والے اکثر پہاڑی ممالک تھے لہٰذا ان کے لوگ مختلف ادوار میں ایسے چھوٹے چھوٹے اقوام میں منقسم ہوگئے تھے کہ بیرونی دنیا کے ساتھ ان کا کوئی رابطہ اور تعلق نہیں تھا لہٰذا ان میں سے ہر قوم کی زبان دیگر زبانوں سے بالکل مختلف تھی راورٹی آخر میں لکھتے ہیں کہ جیسا کہ پشتو زبان کو بنیادی مخلوط زبان فراہم کرتی ہے لہٰذا اس وجہ سے یہ ایک عجیب اور دیگر زبانوں سے الگ زبان ہے۔(5)

جب راورٹی اپنی گرائمر کے مقدمے میں پشتو اور دیگر زبانوں کے ارتباط کے ضمن میں بحث کرتے ہیں تو ان لوگوں کی رائے مسترد کرتے ہیں جو کہتے ہیں کہ پشتو آریائی زبان ہے۔ اور کہتے ہیں ''پشتو کا تعلق میرے خیال سے سامی زبانوں کے خاندان سے ہے'' اس کے بعد راورٹی کوشش کرتے ہیں کہ ثابت کریں کہ پشتو کا تعلق صوتی، حرفی اور نحوی لحاظ سے عربی اور عبرانی زبانوں کے ساتھ ہے۔(6)

راورٹی ایک ذہین اور وسیع مطالعہ رکھنے والا محقق تھا اور قدیم ایرانی زبانوں خاص کر زند کے ساتھ پشتو زبان کے قریبی ربط کا پتہ لگایا تھا مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں '' آج اباسین کے فوراً بعد مغربی طرف ایک ایسی زبان بولی جاتی ہے جو کہ ساخت اور عبارات کے لحاظ سے موجودہ تمام زبانوں سے الگ تھلگ ہے اور گمان غالب ہے کہ زند پہلوی اور عبرانی سے نکلی

ہےاور یہ زبان پشتو.........ہے۔(7)

جیسا کہ راورٹی کی قدیم فارسی اور پشتو کی کتابوں کا وسیع مطالعہ تھا اور وہ آثار جن کو راورٹی بہت اہمیت دیتے تھے میں پشتونوں کو متواتر اور لگا تار بنی اسرائیل کہا گیا تھا اور خود پشتون بھی اسی روایت کی تائید کرتے تھے اسی وجہ سے آخر تک وہ سامی زبانوں خصوصاً عبرانی کے ساتھ پشتو کی اصلیت اور بنیاد اور قریبی روابط کے پُرزور حامی تھے اور آخر تک اس پر قائم رہے۔ سر ولیم جونز صدر شہنشائی، ایشیائی سوسائٹی نے راورٹی سے پہلے پشتو کو سامی زبانوں کی طرح قرار دیا تھا۔ جونز نے بنگال ایشیائی سوسائٹی کی ایک میگزین میں اس مختصر اور بے ربط تبصرے میں جو کہ ایک تاریخی مکالے کے ضمن میں کیا تھا کہا کہ پشتو بہت زیادہ کلدانی زبان نما ہے''۔(8)

لیکن پشتونوں کی تاریخ اور زبان کی کئی محققین اور لسانیات کے ماہرین نے کلدانی اور دیگر سامی زبانوں کے ساتھ پشتو کی تعلق کو یکسر مسترد کیا اور کہا کہ پشتو بنیادی طور پر ایک آریائی زبان ہے۔

کلاپروت وہ پہلے مشہور مستشرق تھے جنہوں نے 1810ء میں ایشیائی ادبیات کے ارشیف کی پہلی جلد میں یہ نظریہ یکسر مسترد کیا کہ گویا پشتو کا تعلق سامی زبانوں کے ساتھ ہے اس نے لکھا ہے کہ ''پشتو اور سامی زبانوں کے درمیان نہ الفاظ میں کوئی مطابقت ہے اور نہ ہی گرائمر کی ساخت میں''۔(9)

الفنسٹن جو کہ پشتون معاشرے اور تاریخ کے ضمن میں وسیع مطالعہ رکھتے تھے 1814ء میں پشتو اور کلدانی زبان کے مطابقت کے بارے میں ولیم جونز کا نظریہ مسترد کیا اور لکھا کہ اس نے دوسو اٹھارہ (218) پشتو الفاظ کئی دیگر زبانوں کے مساوی الفاظ کے ساتھ موازنہ کئے لیکن ''ان میں سے کسی کا بھی عبرانی یا کلدانی کے ساتھ قطعاً کوئی مطابقت نہ تھی''۔(10)

ایک اور انگریز مؤلف جان ملکم نے بھی تاریخ فارس میں الفنسٹن کی طرح کا

نظریہ پیش کیا اور لکھا کہ ''عبرانی یا پشتو یا افغانوں کی موجودہ زبان کے درمیان مطابقت کے کوئی آثار نہیں ملتے'' (11)

پشتونوں کی تاریخ، زبان اور ادب کے عظیم محقق اور مستشرق برنارڈ ڈورن نے بھی سال 1863ء میں لکھا کہ ''پشتو زبان کا عبرانی یا کلدانی کے ساتھ نہ گرائمر کے لحاظ سے کوئی مطابقت ہے اور نہ ہی لغات کے لحاظ سے''۔(12)

ڈورن نے پشتو منتخاب کے مقدمے میں بھی یہ بات کہی کہ ''پشتو کا کسی سامی زبان کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے''۔(13)

ایک اور ''ہر علاقے کی انجیل'' نامی کتاب میں جو سال 1848ء میں بیکسٹر نے چھاپی تھی میں پشتو کی سامیت کے نظریے کو یکسر مسترد کیا گیا تھا اور لکھا گیا تھا کہ ''پشتو میں سامی زبانوں کی کوئی خصوصیت نہیں ہے''(14)

البتہ ایک بڑی تعداد مغربی مؤلفین اور ماہرین لسانیات نہ صرف یہ کہ پہلے سے ہی پشتو کی سامیت کے نظریے کو مسترد کر چکے ہیں بلکہ یہ بات بھی واضح کی ہے کہ پشتو ایک ہندو یورپین زبان ہے۔

پھر بھی کلا پروت ایک مغربی محقق ہے جنہوں نے پشتو کو ایک آریائی زبان کہا ہے اور اس نظریے کی برملا وضاحت کی کہ ''بیشک پشتو ہندو جرمائیک زبانوں کی اعلیٰ کیٹیگری میں سے ہے''۔(15)

لسانی مطالعات کے عظیم عالم پاٹ نے بھی پشتو کو قطعی طور پر ایک آریائی زبان کہا ہے، لوونتال اس ضمن میں اس طرح لکھتے ہیں ''پاٹ جس سطح کا دوسرا حق اللغہ کا عالم نہیں گزرا ہے نے ایک لمحہ بھی اس میں ضائع نہیں کیا کہ پشتو کو ہندو یورپین زبانوں کی صف میں لا کھڑا کر دیں''۔(16)

ڈورن نے پشتو منتخاب کے مقدمے میں پشتو کو ایک خالص آریائی زبان کہا اور لکھا کہ ''پشتو کا تعلق ہندو فارسی زبانوں کے اعلیٰ خاندان سے ہے''۔(17)

لیکن جوں جوں لسانیات کی تاریخی موازنات کی تحقیق علم کی حیثیت اختیار کرتا گیا لسانیات کے بارے میں مطالعہ بھی توجہ طلب ہوتا گیا، پشتو کے ضمن میں بھی ماہرین صرف اس بات سے مطمئن نہیں ہوتے تھے کہ ہند وایرانی زبانوں کی کیٹیگری میں شامل آریائی زبان سمجھیں بلکہ یہ بھی معلوم کرنا چاہتے تھے کی اس عظیم خاندان کے کس شاخ کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ جیسا کہ پشتو میں ہندوایرانی زبان کے اعلیٰ خاندان کی دونوں شاخوں کی خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں لہٰذا پہلے پہل کسی نے پشتو کا تعلق ہندی گروپ کے ساتھ اور کسی نے ایرانی گروپ کے ساتھ جوڑا۔

جس مغربی مؤلف نے پہلی دفعہ پشتو کا تعلق ھندوایرانی زبانوں کے ھندی گروپ کے ساتھ جوڑا وہ رابرٹ لیچ ہے۔ لیچ نے سال 1839ء میں بنگال کے ایشیاءٹک سوسائٹی کے میگزین میں پشتو گرائمر کے بارے میں ایک مضمون جو کہ حقیقتاً مغرب میں پشتو گرائمر کی پہلی بنیاد تھی چھاپا اور اس کے مقدے میں پشتو اور سنسکرت کی آوازوں کے ایک سادہ موازنے کے بعد لکھا کہ ان دونوں زبانوں کی آوازوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پشتو قطعی طور پر سنسکرت کی شکل رکھتا ہے۔(18)

البتہ جس نے پشتو ھندی زبانوں کے ایک وسیع دقیق تاریخی اور موازناتی مطالعے کے نتیجے میں ھندوایرانی زبانوں کی ھندی شاخ کے ساتھ تعلق واضح کیا وہ راڈولف ھارنل ہے۔ ھارنل اپنی 'گادی زبانوں کی موازناتی گرائمر' نامی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ھند کے شمال مغربی سرحد کی نھائیی حدود تک پراکرت زبانیں بولی جاتی ہیں" لیکن اس جگہ کے اُس پار پشتو اور کافری زبانیں ہیں' وہ بات جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ٹرومپ اپنے ان مقالہ جات میں جو پشتو اور کافری زبانوں کے بارے میں لکھے ہیں گادی زبان کے ساتھ ساتھ ان دو زبانوں کی قربت کو متوجہ ہوئے ہیں............لیکن بات آگے نہیں بڑھتی ہے اور (ان زبانوں) خصوصاً پشتو مگادی پراکرت زبان کی خصوصیات رکھتی ہے۔(19)

ھورنل اس کے بعد گادی زبانوں کے ساتھ پشتو اور نورستانی زبانوں کی بعض

مشترک خصوصیات کی نشاندہی کرتا ہے اور آخر میں لکھتے ہیں کہ ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مگادی پراکرت اور پشتو اور کافری زبانیں زمانہ قدیم میں بہت قریب رہی ہیں اور حتیٰ کہ ایک زبان کی تشکیل کرتی تھیں بعد میں سورآسینی زبانیں مگادی اور ان زبانوں کے درمیان واقع ہوئیں اور مگادی زبان کو آہستہ آہستہ مشرق کی طرف بہت دور تک دھکیل دیا۔(20)

پشتو میں ھندی آریائی زبانوں کی خصوصیات اتنی واضح ہیں کہ عظیم فرانسیسی مستشرق جیمز ڈارمسٹڑ نے بھی پہلے پہل اپنی ''ھندتک لسانی مطاالعات کا سفر'' نامی کتاب میں جو 1887ء میں چھپی ھندوایرانی زبانوں کے ھندی گروپ کے ساتھ متعلق گردانا۔(21)

لیکن جس نے پشتو پہلی دفعہ ھندوایرانی زبانوں کے درخت کی ایرانی شاخ کے ساتھ منسلک کیا وہ شیلی ڈیور ہے۔وہ اپنے ''موازناتی لسانیات کی اجمال'' نامی کتاب جو سال 1853ء میں چھپی میں پشتو کو بنیادی طور پر ایرانی زبانوں کی صف میں لا کھڑا کیا لیکن عین وقت پر کہا کہ پشتو کی اپنی الگ وقوع ہے وہ ایرانی زبانوں کی بحث کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ افغانستان کی زبان یعنی پشتو کا تعلق بھی اسی شاخ کے ساتھ ہے لیکن ''اپنے لئے ایک خاص اور جدید طریقہ انکشاف اپنایا ہے''۔(22)

لسانیات کے بڑے ماہر ماکس میولر نے پشتو کو ایرانی زبانوں کے ساتھ مربوط سمجھا وہ اپنے ''مشرق میں جنگ کی مرکز کی زبانیں'' نامی کتاب جو کہ 1855ء میں چھپی میں لکھا ''افغانی یا پشتونوں کی زبان.....اپنی گرائمر کے لحاظ سے فارسی زبانوں کے گروپ کے ساتھ مربوط ہے''۔(23)

میولر نے بعد میں اپنی ایک اور کتاب ''افغانوں کی زبان'' جو 1862ء میں چھپی اپنے مؤقف کی مزید وضاحت کی اور پشتو کو ایرانی زبانوں کے مشرقی گروپ کے ساتھ مربوط کیا اور اس ترتیب کے ساتھ 'زند' کے ساتھ مربوط کیا۔(24)

پاٹ 1833ء میں یورپین زبانوں کو پانچ خاندانوں میں تقسیم کرتے ہیں اور پشتو اور فارسی دونوں کو دوسرے خاندان کیساتھ مربوط سمجھتے ہیں۔(25)

لیکن بعض ماہرین نے پشتو کو ھندی اور ایرانی لسانی گروپوں کے درمیان ایک الگ اور مستقل زبان کے طور پر جگہ دی ہے۔

ڈاکٹر ارنسٹ ٹرومپ نے اپنے وسیع لسانی مطالعات اور تحقیق کے سلسلے میں پشتو گرائمر بھی لکھی ہے۔ پشتو، ھندی اور ایرانی زبانوں کے درمیان ایک تعلق کی کڑی سمجھتا ہے اور لکھتے ہیں ''پشتو الفاظ مستقل طور پر پڑوسی پراکرت لہجوں خاص کر پنجابی اور سندھی سے مشتق ہوئے ہیں صرف نحو اور ترکیب کی عملی ساخت کی رو سے سندھی کے زیادہ قریب ہیں۔ پشتو زمانہ قبل میں متعدی افعال کی رو سے سندھی کے ساتھ مکمل مطابقت رکھتی ہے اور صرف سندھی زبان کی بنیاد پر واضح کی جا سکتی ہے لیکن پشتو کسی بھی صورت میں کوئی پراکرت لہجہ نہیں ہے بلکہ ایک قدیم اور مستقل زبان ہے جو کہ ھندی آریائی زبانوں سے ایرانی زبانوں کے تبدیل ہونے کے پہلے مرحلے کی نشاندہی کرتا ہے لہٰذا اس میں دونوں کی خصوصیات اور واضح ہیں، لیکن پھر بھی اس میں پراکرت کی خصوصیات زیادہ واضح ہیں، پشتو کی یہ خصوصیات اس کے جغرافیائی وقوع کے ساتھ بھی مطابقت رکھتے ہیں۔(26)

پروفیسر ایڈلنگ (Adlung) نے بھی پشتو کو ایک الگ مستقل زبان کہا۔(27) اور شلیے ڈیور نے بھی جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہتے ہیں کہ ''پشتو نے اپنے لئے ایک خاص اور جدید طریقے سے انکشاف کیا ہے''۔(28)

ڈورن خود پشتونوں کے بارے میں بھی یہی نظریہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ'' پشتونوں کا تعلق نہ ایرانیوں کے ساتھ ہے اور نہ ہی ھندوستانیوں کے ساتھ بلکہ وہ ان دونوں عظیم اقوام کے درمیان ایک مستقل قوم ہے''۔(29)

جان ملکم بھی اس ضمن میں ڈورن کے ہم نوا ہیں اور لکھتے ہیں کہ ''پشتون فارسیوں اور ھندوستانیوں سے الگ لوگ ہیں''۔(30)

لیکن پشتونوں کی زبان کی بنیادی اصالت کے بارے میں جس شخص کی بات سند کی حیثیت اختیار کر گئی وہ عظیم فرانسوی عالم اور مستشرق جیمز ڈارمسٹیٹر تھا، اس نے اپنے

''افغانوں کے فولکلوری گیت'' نامی عظیم کتاب جس کا پشتو نام ''پشتونخوا کی شعر کے ہارو بہار ہے'' (چھاپ 1888) کے پہلے حصے میں پشتو اور زند کی پوری تفصیل اور توجہ کے ساتھ موازنہ کیا اور آخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ پشتو کا زند کے ساتھ اتنی قریبی ربط ہے جتنی کہ فارسی قدیم کا فارسی جدید کے ساتھ ہے۔ اس طرح ڈارمسٹیٹر نے ایک واقعی طالب علم کی حیثیت سے قدیم نظریئے کو نئے حقائق کی روشنی میں تبدیل کیا اور پشتو کو قطعی طور پر ھندوایرانی زبانوں کے اعلیٰ گروپ کے ایرانی گروپ کے مشرقی گروپ کے ساتھ مربوط کیا اور واضح کیا کہ پشتو زند کے قریب بالکل ایک الگ زبان ہے لیکن پشتو نے شمالی ھندی زبانوں کے عناصر بھی کھلے دل اور بڑے پیمانے پر حاصل کیئے ہیں۔ (31)

جارج مارگن سٹیرن جو پشتو زبان بالخصوص اس کی تاریخی اور موازناتی تحقیق کے ضمن میں ڈارمسٹیٹر کے بعد اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہے۔ ڈارمیسٹیٹر کے نظریئے کی مکمل تائید کرتے ہیں بالخصوص پشتو مشرقی ایرانی زبانوں میں ساکانیوں کے قدیم زبان کو اتنا قریب کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پشتو دراصل شاید کہ ایک ساکا لہجہ ہے وہ بات جاری رکھتے ہیں اور کہتے ہیں اس بات کا امکان نہیں ہے کہ ان دونوں زبانوں کے قریبی تعلقات کو تحریر میں لائیں۔ (32) مارگن سٹیرن کے نظریات کی بعض دیگر مؤلفین بھی تائید کرتے ہیں۔ (33)

اگر مارگن سٹیرن کی نظریے کو مانا جائے اور پشتو کو ساکا کا ایک لہجہ تسلیم کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پشتو کم از کم دو ہزار سال پہلے معلوم تھی کیونکہ ساکانیوں کے رہنما تقریباً 100 سال قبل مسیح میں یعنی (97 ق م) کے آس پاس موجودہ پشتونخوا پر مسلط ہوئے اور پانچویں عیسوی سال ان کی سلطنت ختم ہوئی اور اس کے بعد ان کی زبان بھی گم ہوگئی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پشتو اور ساکا تو بنیادی طور پر ایرانی زبانوں کے مشرقی گروپ کے ساتھ مربوط زبانیں ہیں یہ پشتو میں اتنے طاقتور ھندی زبانوں کی خصوصیات کہاں سے آئیں۔ اس سوال کے دو ممکنہ جوابات ہیں ایک یہ کہ پشتو بنیادی طور پر ایک ایرانی زبان ہے اور ھندی زبانوں کے بہت سے عناصر جیسا کہ ڈارمسٹیٹر اور دیگر کہتے ہیں بعد میں داخل

ہوئے، دوسری یہ کہ پشتو شروع سے ہی ایک ایسی زبان تھی جس میں ھندی زبانوں کی خصوصیات بھی تھیں اور ایرانی زبانوں کی بھی۔

آیئے پہلے اول امکان پر نظر ڈالیں۔

کسی قوم کی زبان میں کسی دوسری قوم کی زبان کی خصوصیات وسیع پیمانے پر اس وقت داخل ہو سکتے ہیں کہ اول الذکر قوم مؤخر الذکر قوم کی بہت طاقتور اور طویل سیاسی اور ثقافتی سلطنت کے زیر اثر رہی ہو البتہ تاریخ گواہ ہے کہ پشتونوں کا ملک عصر اسلامی میں کبھی بھی ھندوستان کے اس قسم کی سلطنت کے زیر اثر نہیں رہا ہے بلکہ اس دور میں بہت دفعہ ھندوستان افغانوں اور پشتونوں کے سیاسی حاکمیت میں رہا ہے اور بنیادی طور پر یہی ھندوستان میں اسلام اور اسلامی ثقافت کی ترویج کا سبب بنا ہے۔ البتہ اسلام سے پہلے ایک ایسا دور گزرا ہے جن میں پشتونوں کا ملک ھندوستان کے ایک طاقتور اور طویل سیاسی اور ثقافتی حاکمیت کے زیر اثر آیا تھا یہ دور موریا خاندان کی حاکمیت کا معاملہ ہے جو کہ چندر گپتا کی حاکمیت سے (323ق م) سے شروع ہو کر اشوکا کی موت (227ق م) پر ختم ہوا ہے۔ اور تقریباً سو (100) سال جاری رہا درحقیقت صرف یہی ایک دور ہے جس میں ممکن ہے کہ پشتو میں ھندی زبانوں کی خصوصیات اتنی وسعت اور قوت کے ساتھ داخل ہوئے ہوں اگر واقعی یہ درست ہو تو پشتو کم از کم ایک ڈھائی ہزار سالہ حتیٰ کہ اس سے بھی قدیم زبان ہے البتہ اگر پہلے امکان کو تسلیم کیا جائے اور اسی طرح سمجھا جائے کہ پشتو میں ھندی زبانوں کی خصوصیات شروع ہی سے موجود تھیں وہاں پھر ٹرومپ کی نظریئے کو تقویت ملتی ہے اور پشتو ایرانی اور ھندی زبانوں کے مابین ایک قدیم رابطے کی کڑی بہ الفاظ دیگر ان دو گروپوں یا خاندانوں کی کئی زبانوں کے الگ الگ ہونے کا سبب بنتا ہے۔

ماخذات وحوالہ جات

1۔ راورٹی ھندی پشتو گرائمر صفحہ 17

2۔ تذکرۃ الملوک پشتونوں کی تاریخ ہے اور راورٹی نے اپنی گرائمر کے مقدمے میں

متعارف کروایا ہے۔

3۔ راورٹی پشتو گرائمر صفحہ 8

4۔ راورٹی پشتو ڈکشنری مقدمہ صفحہ 12

5۔ ایضاً ایضاً

6۔ راورٹی پشتو گرائمر مقدمہ صفحہ 22-23

7۔ ایضاً صفحہ 4

8۔ جونز ولیم ایشیائی سٹڈیز جلد دوم صفحہ 176

9۔ راورٹی پشتو گرائمر مقدمہ صفحہ 17

10۔ الفنسٹن منثورات سلطنت کابل صفحہ 190-191

11۔ ملکم جان تاریخ فارس جلد دوم صفحہ 597

12۔ ڈورن برنارڈ افغانوں کی تاریخ۔ یاداشتیں صفحہ 65

13 ڈورن پشتو منتخبات مقدمہ صفحہ 2

14۔ لونتال ایسید ورایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا میگزین جلد 29 سال 1860ء صفحہ 325

15۔ راورٹی پشتو گرائمر مقدمہ صفحہ 17

16۔ لوونتال۔ اوپرزکرشدہ میگزین صفحہ 325

17۔ ڈرون پشتو منتخبات مقدمہ صفحہ 2

18۔ لیچ رابرٹ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا میگزین جلد 8 صفحہ 1 سال 1838ء

19۔ ھورنل روڈولف گادی زبانوں کی موازناتی گرائمر مقدمہ صفحہ 33

20۔ ایضاً صفحہ 34

21۔ گریرسن۔ جورج ھندی زبانوں کا سروے جلد 10 صفحہ 9

22۔ ڈیورشیلی موازناتی لسانیات کا اجمال صفحہ 299

23۔ میولر ماکس مشرق میں جنگ کی مرکز کی زبانیں صفحہ 32

24۔ گریرسن جورج ھندی زبانوں کا سروے جلد دوم صفحہ 9

25۔ لوونتال ذکر شدہ کتاب صفحہ 325

26۔ ٹرومپ ارنسٹ، پشتو گرائمر مقدمہ صفحہ 12

27۔ راورٹی پشتو گرائمر مقدمہ صفحہ 18

28۔ شیلی ڈیور ذکر شدہ کتاب صفحہ 229

29۔ ڈورن افغانوں کی تاریخ یاداشتیں صفحہ 72 (انگریزی)

30۔ ملکم جان، تاریخ فارس جلد۔1 صفحہ 597

31۔ گریرسن، ھندی زبانوں کا سروے جلد 10 صفحہ 9

32۔ مارگن سٹیرن جورج، اسلامی دائرۃ المعارف جلد۔1 صفحہ 220

33۔ اولف کیرو، دی پٹھانز صفحہ 66-68

باب نمبر:3

پشتون افغان تاریخی بنیادیں

قدیم مشرقی کتابوں میں 'پشتون' کو معمولاً 'افغان' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ البتہ بعض مغربی عالموں کی رائے ہے کہ لفظ 'پشتون' 'افغان' سے زیادہ قدیم ہے اور کم از کم 400 سو سال قبل مسیح میں عظیم یونانی مورخ هیرڈوٹس (486-426 ق م) نے اپنی تاریخ میں پشتونوں کی پختوئس یا پکتوئس کی شکل میں ذکر کیا ہے اس طرح ان کا کہنا ہے کہ پشتونوں کا ملک یا پشتونخوا کا نام بھی اتنا ہی قدیم ہے اور هیرڈوٹس نے اسی کتاب میں پکتیکا یا پکتو یک کی شکل میں یاد کیا ہے۔ ان سب میں اکثر سکالرز کے دلائل اور ثبوت هیرڈوٹس کی درج ذیل عبارات پر مشتمل ہیں۔

''داریوش نے دو افراد کو اس بات کو معلوم کرنے کیلئے ابھارے کہ اباسین کس جگہ سمندر میں شامل ہوتا ہے ان دو افراد نے اپنے منصوبے کا آغاز کسپتیروئس کے شہر اور ملک پکتیا سے کیا۔(1)

''اور بھی هندوستانی ہیں جن کا شہر کسپتیروس اور ملک پکتیکا کے ساتھ مشترکہ سرحد ہے اور دیگر هندوستانیوں کے شمال میں آباد ہیں''۔(2)

''پختویس نے کھال پہنے تھے اور اپنے وطن کے تیر اور کمان کے ساتھ پھرتے تھے''۔(3)

ہنری بیلو۔ ہنری لوونتال اور اوولف کیرو اور لنگوسٹک سروے آف انڈیا کے مؤلف جارج گریرسن هیروڈٹس کی درج بالا عبارات میں ''پکتیکا'' اور ''پختوئس'' کے الفاظ

بالترتیب موجودہ پشتونخوا اور پشتون کے الفاظ کے مترادف سمجھتے ہیں۔(4)

جارج گریرسن لفظ پشتون کو آریز کی قدیم کتاب رگویدا میں لفظ پکتاس کے ساتھ بھی موازنہ کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ دونوں الفاظ کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کے مترادف ہیں۔(5)

یہی سکالر ہیروڈٹس کے'اپاروتی' کو پشتونوں کے''اپریدیوں'' کے ساتھ مترادف سمجھتے ہیں۔(6) اور معروف ناروی ماہر لسانیات مارگنسٹرن بھی لکھتے ہیں کہ صوتی لحاظ سے یہ ممکن ہے کہ'اپاروتی' اور'اپریدی' مترادف ہوں۔(7)

کیرو اور بہت سے سکالرز کی طرح کسپتوروس یا کسپیتروس جو کہ ہیروڈٹس کی درج بالا عبارات میں ملک پکتیا کے ساتھ ایک شہر کے طور پر مذکور ہے پر مفز طویل بحث کے بعد پشاور سمجھتے ہیں اور یہ اس بات کی ایک اور دلیل سمجھتے ہیں کہ ہیروڈٹس کا پکتویک یا پکتیکا لازمی طور پر پشتونخوا ہے۔(8)

بعض ماہرین مثلاً مارگنسٹرن اس نظریئے کو مسترد کرتے ہیں کہ ہیروڈٹس کا ''پکتویس'' موجودہ پشتون ہے وہ لکھتے ہیں''لیسن اور اس کے بعد دیگر ماہرین پشتونوں کو ہیروڈٹس کا پکتویس کہتے ہیں اور آفریدیوں کے نام کو ہیروڈٹس کے اپاروتی کے متبادل سمجھتے ہیں۔مؤخر الذکر دلیل ممکن ہے کہ درست ہو البتہ کسی بھی صورت میں یقینی نہیں ہے۔لیکن اول الذکر دلیل کو فونالوجیکل دلائل سے رد کیا جانا چاہئے۔(9)

(ہم نے مارگنسٹرین کی اس دلیل اور دیگر کمزور نظریات کے بارے میں اس باب کے آخر میں ایک یادداشت کے طور نسبتاً تفصیلاً بحث کی ہے اور پشتونوں کے تاریخی مطالعے کے ضمن میں بعض نکات اس قابل ہیں کہ قارئین ایک دفعہ ان کو پڑھیں) جن باتوں کا یہاں تک مختصر اً ذکر ہوا ہے ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے محققین اور معروف سکالرز ہیروڈٹس کے پکتو یک اور پکتویس کے الفاظ پشتونخوا اور پشتون کے مترادت سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دو الفاظ کا تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے قدیم یونانی آثار میں ذکر ہوا ہے۔

البتہ لفظ 'افغان' کے بارے میں محققین کی رائے یہ ہے۔ یہ لفظ سب سے پہلے ایران کے نقش رستم کے اس کتبے میں آیا ہے جو کہ تیسری عیسوی صدی میں ساسانیوں کے ایک حکمران شاہ پور اول کی ہدایت پر پارتی اور یونانی زبانوں میں لکھا گیا ہے۔

'شپر نگ لن' اپنے اس مفصل مضموں میں جس کا عنوان ''عظیم شاہپور اول زرتشت کے کعبے میں'' ہے اس کتبے کی تفصیلات کے ضمن میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ وہ اس کتبے کے ''ارگان یا اوگان'' کے الفاظ کا موجودہ 'افغان' کے نام سے بہتر متبادل نہیں ڈھونڈ سکتا۔(10)

اولف کیرو کہتے ہیں کہ ان دو الفاظ کے تعلق کو یہ حقیقت بھی تقویت دیتے ہے کہ شہنشاہ شاہپور کے بہت سے ملازمین لازمی طور پر وہ لوگ تھے جو کہ ایران کے مشرق میں واقع علاقوں تک گئے تھے کیرو اسی طرح کہتے ہیں کہ ساسانیوں کا ایک حکمران شاہپور سوم بھی 'اُپا کان' کے نام جو کہ 'ابگان' کے بالکل مترادف لفظ سے یاد ہوا ہے کیرو آخر میں لکھتے ہیں کہ افغان کو 'ابگان' اور 'اپا کان' سے تبدیل ہونا ایک عام بات ہے اور یہ لفظ بندے کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ عظیم افغانوں کے اسلاف کو اپنی ساسانیوں اور ان کے بزرگوں میں ڈھونڈا جائے۔(11)

لیکن بعض دیگر محققین مثلاً واتن گریگورین نقش رستم کے 'ابگان' او 'افغان' کے الفاظ کی مطابقت اور تعلق کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان الفاظ کی لفظی مطابقت کو زیر بحث نہیں لانا چاہیئے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ پانچویں صدی عیسوی کے ارمنی اثار میں اذر بائی جان کے قدیم باشندے تواتر کے ساتھ انہی اقسام کے ناموں سے یاد کئے گئے ہیں۔(12)

لیکن کہہ دینا چاہیئے کہ نقش رستم کے کتبے میں لفظ 'ابگان' اگر آرمینیوں کے ساتھ متعلقہ ہے تو پھر ''الوان'' یا ''اغبان'' یا ''اغوان'' کی شکل میں آنا چاہئے تھا نہ کہ 'ابگان' یا 'اوگان' کی شکل میں۔ لہٰذا جو مغربی مؤلفین مثلاً کروسنسکی بیلو اور دیگر جو کہ افغانوں اور ارمینوں کے قومی تعلق کے حوالے بہت پہلے مباحت کر چکے ہیں وہ اس طرح بتاتے ہیں کہ

پہلے پہل ارمنین ''البان'' کے نام سے یاد کئے جاتے تھے بعد میں یہ لفظ 'اغبان' یا 'اغوان' میں بدل گیا۔ کروسنسکی اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ اغوانی دراصل شیروان ولایت کے تھے جو کہ زمانہ قدیم میں عظیم البانین کے نام سے یاد ہوتے تھے (یہ اغوانی) کا نام خود اس کا ثبوت ہے کہ وہ دراصل البانین ہیں اسلئے کہ البانی زبان میں ہمارا 'ل' 'غ' میں بدل جاتا ہے اور ہمارا 'ب' 'ؤ' کے Consonant میں تبدیل ہوتا ہے اس طرح لفظ 'البان' 'اغوان' بن گیا ہے۔ (13)

بیلو کی رائے بھی یہی ہے اور کہتے ہیں 'اغوان' کا نام دراصل قدیم رومیوں نے ارمینوں پر رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں جیسا کہ ارمنین قفقاز کے پہاڑی علاقوں میں آباد تھے اور لاطینی میں 'پہاڑ' کو 'البہ' کہتے ہیں لہٰذا رومیوں نے البانیوں کے وطن کو 'البانیہ' یعنی پہاڑ کے ملک کے نام سے یاد کیا اور خود ارمنیوں کو 'البان' یا 'الوان' یعنی پہاڑی ملک کے باشندوں کے نام سے یاد کیا۔ بیلو کہتے ہیں یہی 'البان' بعد میں 'اغوان' سے بدل گیا۔ (14)

لہٰذا اگر نقش رستم کا لفظ 'ابگان' کا تعلق قدیم آذربائیجانی باشندوں سے ہو تو البان۔ اغبان یا اغوان کی شکل میں آنا چاہیئے تھا نہ کہ ابگان یا اوگان کی شکل میں۔

بعض نامور عالم جارج مارگنسٹرن سمیت کی پھر بھی یہی رائے ہے کہ 'افغان' کا نام پہلی مرتبہ ایک قدیم ھندی منجم ''وراھہ میھیرا'' نے ''اوگانہ'' کی شکل میں ذکر کیا۔ (15) اس منجم نے اپنی اس کتاب میں جسے چھٹی عیسوی صدی کے اوائل میں تالیف کیا تھا اور جس کا نام ''برات۔ سنیتھا'' ہے میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''درج ذیل دم دار ستارے قلمرو میں شامل ہیں پہاڑی کمین گاہیں پہلوی۔ چوتی۔ ھونی۔ کالان۔ افغان......اور غیر عادل اور جاہ طلب لوگ'' (16)

(یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ''اچ، کرن''، جس نے ''برات، سنیتھا'' 1869ء میں انگریزی میں ترجمہ کیا تھا لفظ 'اوگانہ' کو 'افغان' کی شکل میں لکھا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ کرن کو بالکل یقین تھا کہ واضح طور پر میھیرا کے خیال میں لفظ 'اوگانہ' اور نام

'افغان' ایک جیسے ہیں)۔

جارج گریرسن بھی کہتے ہیں کہ واضح طور پر میھیرا کے لفظ ''اوگانہ'' لفظ 'افغان' کے مترادف گردانا گیا ہے۔(17)

بعض مغربی محققین کہتے ہیں کہ چینی زائر نے اپنے اس سفر کی یادداشتوں میں 'افغان' کو یاد کیا ہے جس کو ساتویں عیسوی صدی کے پہلے نصف میں لکھی تھی۔

الیگزینڈر کننگھم قدیم جغرافیہ ھند میں ''اوپوکین یا افغان'' کے عنوان سے لکھتے ہیں ''چینی زائر چانگ نے او۔پو۔کین کا صرف ایک مختصر عبارت میں ذکر کیا ہے اور اس کا وقوع فلنہ (بنوں) اور غزنی کے درمیان بنوں کے شمال مغرب اور غزنی کے جنوب بتائی ہے۔(18)

کننگھم بعد میں فوراً لکھتے ہیں ''مجھے تقریباً یقین ہے کہ ھون چانگ کے اپوکین کا مطلب لازمی طور پر افغان ہے (او۔پو۔کین کا متبادل بعینہٖ 'اوگان' ہوگا اس لئے چینی زبان کے سلیبل میں لفظ اس سے زیادہ صراحت سے ادا نہیں ہوسکتا۔ اور اگر یہی درست ہو تو جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ افغانوں کا قدیم ترین ذکر ہے''۔(19)

کننگھم کی یادداشتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسے یہ معلوم نہیں ہے کہ ''بڑات۔سنیتھا'' میں بھی لفظ اوگانہ کا ذکر آیا ہے اور جو لفظ چینی زبان کے ''اپوکین'' کے متبادل کے طور پر بیان کرتے ہیں وہ ''بڑات۔سنھیتا'' کے اوگانہ کے ساتھ عین مطابقت رکھتا ہے۔ کننگھم کی باتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہون چانگ نے او۔پو۔کین یا لفظ افغانہ اس کے لغوی معنی میں افغانوں کے ملک کیلئے استعمال کیا ہے اور کہہ دینا چاہیئے یہ، کہ کام بہت بعد میں بھی ہوا ہے۔

ارزقی ھروی پانچویں صدی عیسوی کے اول نصف کا شاعر اور سلجوقی خاندان کے مداح نے اس قصیدے میں جو کہ آلپ ارسلان محمد سلجوقی کے بیٹے طغان شاہ (فوت 465ھ) کی تعریف میں لکھا تھا، وہ کہتے ہیں۔

ذھری گرسوی افغان شوی اے بادشمال
باز گوہی ذھری پیش ملک صورت حال (20)

اور یہ کہ لفظ 'افغان' قدیم غیر اسلامی کتب میں کس وقت اور کس شکل میں آیا ہے اس ضمن میں قاطع اور یقینی رائے کافی احتیاط کا متقاضی ہے البتہ اسلامی آثار میں یہ نام حتیٰ کہ قدیم سے بالکل صریح اور تواتر کے ساتھ اسی افغان کی شکل میں آیا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے باب چہارم میں مذکور ہے کہ افغان کا نام کم از کم ہزار سال پہلے موجودہ شکل میں حدود العالم میں ذکر ہوا ہے اور اس کے بعد مسلمان مورخین نے تسلسل کے ساتھ یاد کیا ہے۔ البتہ لفظ پشتون کا اسلامی آثار میں بہت بعد میں ذکر ہوا ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے اسلامی دور کی قدیم معلوم کتاب جس میں لفظ پشتون بار بار آیا ہے وہ اخوند درویزہ کی مخزن الا السلام ہے جو 1603ء اور 1612ء کے درمیانی عرصے میں تالیف ہوئی ہے اخوند درویزہ ایک جگہ جب پیر روشان کے بیٹے جلال الدین کے بارے میں بحث کرتے ہیں تو لکھتے ہیں۔ ''اور یہ ڈنگا مار کر کہ میں پشتونوں کا بادشاہ ہوں۔ پشتونوں کیلئے بہتر ہوں پشتون میری پیروی کریں گے پشتون اس کے گرد اکٹھے ہو گئے تمام پشتون زبون ہوں مغل پشتونوں پر حملہ آور ہوئے جلال کے بُرے اعمال کی بدولت تمام پشتونوں کو مغلوں نے پھانسی دی''۔ (21)

مخزن پشتو میں تالیف شدہ کتاب ہے اور غالب گمان یہ ہے کہ پشتونوں کے بارے میں مخزن الاسلام سے پہلے اگر پشتو میں لکھی ہوئی کوئی کتاب ہو تو لفظ پشتون ان میں بھی آ چکا ہوگا۔ اس لئے کہ خود پشتون اپنے کو پشتون کہتے ہیں لیکن بات یہ ہے کہ جو اسلامی کتب دیگر زبانوں میں لکھی گئی ہیں ان میں پشتون کو زمانہ قدیم سے افغان کہا گیا ہے اور قدیم اسلامی آثار میں ان کا ملک بھی جیسا کہ اس کتاب کے باب ہشتم میں اس پر تفصیل سے بحث ہوئی ہے 'کشور افغان' ''مرز افغان'' ''حد افغان'' اور ''افغانستان'' کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ البتہ تاریخی شواہد یہ بتاتے ہیں کہ ''افغانستان'' کے غیر پشتون باشندے بھی قدیم سے اسی مشترکہ وطن سے منسوب اور ''افغانوں'' کے نام سے یاد ہوئے ہیں۔

بعض مورخین مثلاً محمود کتبی ۔ برھان الدین میر خواند عبدالرزاق سمرقندی اور دیگر جیسا کہ اس کتاب کے باب اول میں اس پر بحث ہوئی ہے چودھویں اور پندرویں عیسوی صدی کے ''افغانستان'' کے ترک اور مغلوں کو بار بار افغانی مغل اور افغانی ترک کہتے رہے ہیں اور ہزاروں کو بھی مسلسل ''افغانی ہزارہ'' کے نام سے یاد کیا ہے۔

سیفی ہروی کی تاریخ نامہ ہرات (تالیف 718-721ھ) کی بعض عبارات اور بیانات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چودھویں صدی عیسوی کے پہلے نصف میں بھی اس وقت کے ''افغانستان'' کے غیر پشتون باشندوں کو ''افغان'' کہا گیا ہے مثلاً سیفی اپنے دور کے ''افغانستان'' کے واقعات کے بارے میں بحث کرتے ہیں اس ملک کے کردوں کو صراحت کے ساتھ افغانوں کا حصہ کہتے ہیں ایک جگہ اس وقت کے ''افغانستان'' کے حکمران ''شہنشاہ'' کی زبانی لکھتے ہیں ''افغان بہت بے پرواہ، چور، قاتل، فتنہ انگیز اور بہادر لوگ ہیں خاص کر یہ کُرد جو کہ میری خدمت پر مامور ہیں ہر ایک رستم وستان اور سام نریمان سے مقابلہ کرتے ہیں اور ان کو ابھارتے ہیں..............''۔(22)

عمومی طور پر پشتونوں نے ہمیشہ خود کو پشتون کہا ہے اور افغانستان کے دیگر باشندوں اور بیرونی لوگوں نے اکثر افغانوں کے نام سے یاد کئے ہیں صرف قدیم ھند میں پشتون پٹھان کے نام سے بھی یاد ہوئے ہیں اور بعض خارجیوں نے کبھی کبھی ھندوستانیوں کی تقلید میں پشتونوں کو پٹھان کہا ہے۔

خود پشتونوں کی اکثر فارسی تحریروں میں حتیٰ کہ پشتو اشعار میں بھی پشتونوں کو افغان کہا گیا ہے اور کئی ایک لکھاریوں اور شعراء مثلاً اخوند درویزہ اور خوشحال خان خٹک نے تو پشتون اور افغان مترادف الفاظ کے طور پر استعمال کئے ہیں۔

انیسویں صدی کے اوائل کے بعد سے اکثر مغربی لکھاریوں اور مستشرقین نے لفظ 'افغان' خاص کر قومی معانیوں میں 'پشتون' کے مترادف کہا ہے لیکن عام اور سیاسی معنوں میں تواتر اور تسلسل کے ساتھ افغانستان کی اتباع کے مفہوم میں استعمال کیا ہے اور اسی طرح

افغانستان کے تمام باشندوں جیسا کہ ہے افغان کہا ہے۔

افغانستان کے سیاسی اور علمی حلقوں میں بھی کافی عرصہ سے لفظ افغان افغانستان کے باسیوں کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے اور بعد کے دور میں تو بالکل یہ مفہوم عام ذہنیت کا حصہ بن گیا ہے۔

ایک ضروری یادداشت۔

مارگنسٹرن نے اسلامی دائرۃ المعارف کے اسی مضمون میں بعض واضح غلطیاں بھی کی ہیں اور اس بات کی اہم دلیل بھی دو باتیں ہیں ایک یہ کہ اس کے مضمون کے اصل نسخے کے لکھتے وقت وہ قدیم اسلامی تحریری اسناد جو پشتونوں کی تاریخی موجودیت اور معاشرتی حالت پر نسبتاً روشنی ڈالتا تھا زیادہ سامنے نہیں آئے تھے دوسرا یہ کہ خود مارگنسٹیرن کا تجربہ بھی لسانی مطالعے اور علاقے کے تاریخی سٹڈی اور قدیم متون کے ضمن میں زیادہ کارگر ثابت نہیں ہو سکا لہذا یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے کہ اس نے یہاں ایک صریحاً غلطی کی اور لکھتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی ''ایک اور موقع پر پشتونوں پر حملہ آور ہوئے اور انہیں سزا دی اور اس بات کو بیہقی نے آشکار کیا'' (اسلامی دائرۃ المعارف جلد نمبر 1 صفحہ 217) لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیہقی نے پشتونوں پر سلطان محمود غزنوی کے حملوں کے بارے ایک لفظ بھی نہیں کہا ہے البتہ عصر غزنوی کے ایک اور معروف مورخ عتبی جیسا کہ اس کتاب کے باب چہارم میں قدرے تفصیل سے اس پر بحث ہوگی پشتونوں پر محمود کے حملوں کو یاد کیا ہے۔

مارگنسٹیرن اس مضمون میں یہ بھی کہتے ہیں کہ ابدالیوں کی اصلیت اور نسب مجہول ہے البتہ غلجیوں کے بارے میں یہ امکان موجود ہے کہ ان کے نام کی وجہ تسمیہ ایک عام روایت ہو (اسلامی دائرۃ المعارف جلد اول صفحہ 217) اگر کسی کو ابدالیوں کی اصلیت اور نسب کے بارے میں اس قسم کے افسانوں کی تلاش ہو جو کہ غلجیوں کے نام کے بارے بنا ہے لہذا بات ختم ہو جاتی ہے۔

چونکہ علمی مباحث میں اس قسم کی ایک بے بنیاد روایت نہ کسی تاریخی واقعے کیلئے

بطور دلیل ہو سکتی ہے اور نہ ہی تائید کے طور پر سامنے لائی جا سکتی ہے اور نہ ہی اس پر بحث کرنے کی ضرورت ہے جیسا کہ مارگنسٹیرن ایک عظیم سکالر اور اولف کیرو بھی درانیوں کے بارے میں یہی رائے رکھتے ہیں لہٰذا ان پر ضرور کچھ کہنا چاہیئے۔

اولف کیرو بھی کہتے ہیں کہ ''درانیوں کی اصلیت اور نسب مجہول ہے اور عظیم شاہ عباس کے زمانے تک تاریخی طور پر سامنے نہیں آئے تھے (دی پٹھانز صفحہ 90)۔ یہاں دوسروں کی طرح کیرو کی دلیل بھی یہی ہے کہ بابر نے بابر نامے میں اکثر ان علاقوں کے پشتون قبائل اور قوموں کے نام لئے ہیں جن پر حملے کئے ہیں لیکن یہ کہ باوجود کندھار پر قبضہ کرنے کے ابدالیوں کا ذکر نہیں کیا ہے۔(دی پٹھانز 155-156)۔

کہنا چاہیئے کہ کندھار پر بابر کے حملے اور کندھار پر قبضہ کرنے کے وقت کندھار کے حکمران دو مغلی بھائی شاہ شجاع ارغون جس کو بابر شاہ بیگ کہتے ہیں اور اس کے چھوٹے بھائی محمد مقیم تھے لہٰذا بابر کی زیادہ تر یاداشتیں انہی دو بھائیوں اور ان کے مغل حواریوں اور نوکروں اور افسران کے بارے میں ہیں اور کندھار کے پشتونوں کے ساتھ اس کا نہ کوئی سامنا ہوا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے لحاظ سے اس علاقے کو پشتونوں کے ساتھ محسور ہوئے ہیں۔لہٰذا بابر نے کندھار میں نہ صرف درانیوں کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ پشتونوں کا بھی ذکر تک نہیں کرتے۔اگر بابر درانی پشتونوں کا ذکر نہیں کرتے تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔

بابر نے دیگر پشتون اقوام اور بزرگوں کے نام محمولاً اس وقت لئے جو کہ یا تو اپنی کارروائیوں کے دوران یا ڈاکہ زنی کے وقت ان کے ساتھ سامنا ہوا ہو یا کسی دوسری ضرورت کے تحت ان کے ساتھ محسور ہوا ہو۔

مزید برآں اگر بابر نامہ میں ابدالیوں کا نام موجود نہیں لیکن آئین اکبری جو کہ بابر نامہ سے چند دھائی بعد لکھی گئی ہے اور ھند کے مغلی عصر کی ایک قدیم اور معتبر کتاب ہے واضح طور پر ان کا ذکر ہوا ہے۔

جب ابوالفضل کندھار کے مشرقی مضافات پر بحث کرتے ہیں دو دفعہ ''ابدالی

قبیلہ'' کا ذکر کرتے ہیں اور وہ ٹیکس بتاتے ہیں جو کہ صفوی حکمران کے شروع میں یا خود بقول مؤلف قزلباشوں کے دور میں ان پر وضع کی گئی تھی۔

(ابوالفضل آئین اکبری جلد دوم صفحہ 403)

مزید برآں جب پشتون قبائل پر شجرہ نسب کے حوالے سے بحث کیا جاتا ہے وہاں یہ بات کہ درانیوں کی اصلیت اور نسب مبہم ہے ایک اور دلیل سے بھی رد ہو جاتا ہے شجرہ نسب کی بنیاد پر ابدالی ترینوں کی ایک شاخ ہے اور ترین وہ پشتون قبیلہ ہے جو کہ بابر سے بہت پہلے تحریری اسناد میں موجود ہے ان اسناد میں سے ایک وہ تحریری کتبہ ہے جن کی نقل مجھے عظیم محقق عبدالحئ حبیبی نے فراہم کی ہے یہ کتبہ چودہویں عیسوی صدی میں اس مسجد کی ایک دیوار پر تحریر کنندہ ہے جو ڈیرہ غازی کے ''بارکھان'' میں واقع ہے کتبہ فارسی میں تحریر شدہ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ''یہ ملک پویا تو ترین موسیانی خیل مسجد عہد فیروز شاہ میں سال 770ھ میں آباد ہوا''۔

مزید براں جیسا کہ اس کتاب کے باب چہارم میں بحث ہو گی سیفی ہروی تاریخ نامہ میں پشتونوں کے ایک عظیم قبیلے کا ذکر اس علاقے میں کرتے ہیں جن میں ابھی تک ترین موجود ہیں وہ لکھتے ہیں اس قبیلے کے ایک سردار کا نام ھرمز'تری' تھا اور سیفی کی بحث سے ظاہر ہوتا ہے کہ 'تری' 'ترین' کے سوا کچھ اور ہو نہیں سکتا۔

جب اولف کیرو خود یوسف زیئوں کی اس ہجرت کا ذکر کرتے ہیں جو کہ تواریخ حافظ رحمت خانی کے مندرجات سے اس کا دور پندرویں صدی کا اواخر معلوم ہوتا ہے کہتے ہیں کہ اس وقت ابدالی (درانی) ترین گردانے جاتے تھے دی پٹھانز (177-178)۔

ان تمام مباحث کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ درانیوں کی تاریخی ہیت اتنی اندھیروں میں گم نہیں ہے جو کہ مارگنسٹیرن اور کیرو کا خیال ہے۔

مارگن سٹیرن اسلامی دائرۃ المعارف میں ایک اور انوکھی بات بھی کہتے ہیں کہ یہ معلوم نہیں ہے کہ زمانہ قدیم میں افغان کوہ سلیمان سے مغرب کی جانب سے آگے تک موجود

تھےلیکن وہ کہتے ہیں کہ قدیم آثار میں اس قسم کی کوئی بات سامنے نہیں آئی ہے جو کہ غزنی سے مغرب کی جانب پشتونوں کی سکونت ظاہر کرتا ہو (اسلامی دائرۃ المعارف جلد اول صفحہ 412)۔ مارگنسٹیرن کی یہ بات بھی ان حقائق سے دور ہے جو کہ تاریخی اسناد میں موجود ہیں باب چہارم میں واضح کیا جائے گا کہ بہت سے اسلامی آثار نے اس علاقے میں جو کہ ھرات سے اباسین کے کنارے تک موجود ہے زمانہ قدیم سے پشتونوں کی سکونت کا ثبوت دیا ہےاور اس علاقے کے مختلف حصوں کو پشتونوں کے نفوس کی اکثریت اور سکونت کے قدامت کے لحاظ سے ان کے ناموں سے منسوب کئے ہیں انہی آثار جن پر باب ہشتم میں تفصیلی بحث ہوگی چودھویں صدی کے اول نصف میں 'افغانستان' کے نام سے ایک بڑے علاقے کا ذکر کیا ہے۔

ماخذات وحوالہ جات:

1۔ لوونتال، ایسید ور بنگال کی ایشیائی سوسائٹی کا میگزین جلد 29 صفحہ 331

2۔ ایضاً ایضاً

3۔ ایضاً ایضاً

4۔ بیلو ہنری افغانستان کی قوم شناسی کا مطالعہ صفحہ 198-204

لوونتال بنگال کی ایشیائی سوسائٹی کا میگزین صفحہ 331

گریرسن جارج ھندی زبانوں کا سروے جلد اول صفحہ 106

یہی کتاب جلد 10 صفحہ 5

کیرواولف دی پٹھانز صفحہ 35-41

5۔ گریرسن جارج، ھندی زبانوں کا سروے جلد۔10 صفحہ 5

6۔ بیلوطوائف افغانستان صفحہ 1976-77

قوم شناسی کا مطالعہ صفحہ 89-91

ھندی زبانوں کا سروے جلد اول صفحہ 106

یہی کتاب جلد 10 صفحہ 5

دی پٹھانز صفحہ 37

7۔ مارگنسٹیرن جارج اسلامی دائرۃ المعارف جلد 1 صفحہ 217

8۔ کیرو دی پٹھانز صفحہ 32-33

9۔ مارگنسٹیرن اسلامی دائرۃ المعارف جلد 1 صفحہ 217

10۔ سپرنگ لنگ۔ام امریکہ کی سامی زبانوں اور ادبیات کا میگزین جلد 107 صفحہ 412 سال 1940

11۔ کیرو دی پٹھانز صفحہ 79-80

12۔ گریگورین۔ورتن ظہور جدید افغانستان صفحہ 29 کا حاشیہ

13۔ دوسخ سیو۔تاریخ انقلابات فارس جلد 1 صفحہ 137-139

14۔ بیلو۔افغانستان کی قوم شناسی کا مطالعہ صفحہ 205

15۔ اسلامی دائرۃ المعارف جلد۔1 صفحہ 217

16۔ وراھہ میھیرا دی بڑات۔سنتھیا صفحہ 110 نمبر 38-39

17۔ ھندی زبانوں کا سروے جلد 10 صفحہ 5

18۔ کننگھم جارج قدیم جغرافیہ ھند صفحہ 100

19۔ ایضاً صفحہ 103

20۔ ھروی ازرقی دیوان صفحہ 51

21. درویزہ اخوند مخزن الاسلام صفحہ 135

22۔ ھروی۔سیفی۔تاریخ نامہ ھرات صفحہ 199

باب نمبر:4

پشتون زمانہ قدیم میں کہاں آباد تھے

قدیم لکھی گئی اسلامی کتب اور اسناد دسویں عیسوی صدی سے لے کر سولہویں عیسوی صدی تک اس علاقے کے مختلف حصوں میں پشتونوں کے آباد ہونے کا ذکر کرتے ہیں جو آمو سے لے کر اٹک، ہرات سے لے کر کشمیر۔ کرمان سے لیکر ملتان اور چترال سے بحیرہ عرب تک واقع ہیں (1)۔ پہلے ہم ان علاقوں میں پشتونوں کے بارے میں ذکر کرتے ہیں جو کہ غزنی، زابل، کابل، پکتیا اور ننگرہار کی وادیوں میں آس پاس کے علاقوں سے لے کر اباسین تک پھیلے ہوئے ہیں۔

پشتون پکتیا اور آس پاس کے علاقوں میں:

حدود العالم من المشرق الی المغرب جو سال 372ھ میں فارسی میں لکھا گئی اور جس کے مؤلف کا نام معلوم نہیں، اسلامی دور کی وہ پہلی کتاب ہے جو ان علاقوں میں افغانوں کی سکونت کا ذکر کرتی ہے، یہ قدیم کتاب گردیز کی تفصیلات کے بعد فوراً پکتیا کے علاقے کا ایک گاؤں اس طرح متعارف کرواتی ہے۔

''سول (2) کے پہاڑ میں ایک گاؤں ہے اور افغان اس میں آباد ہیں اس جگہ سے حسینان تک راستہ دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے........ یہ راستہ پُر خطر ہے (3)۔

ایک اور قدیم کتاب جو انہی حدود پکتیا اور پکتیکا کے علاقوں میں پشتونوں کو

رہائش پذیر گردانتے ہیں جو عبدالجبار عتبی (انتقال 427ھ) کی تاریخ یمنی ہے عتبی نے جو سبکتگین اور سلطان محمود کے حکمرانی کے واقعات کو سال 412ھ تک لکھے ہیں ایک جگہ اس طرح لکھتے ہیں۔

جیسا کہ موسم گرما کی گرمیاں گزر گئیں، سلطان اُن افغان طائفوں کی پٹائی کرتے گئے جو کہ بالائی دروں اور اپنے پہاڑی علاقوں میں رہتے تھے اور جب (سلطان محمود) جنگ قنوج کے لئے نکلے تھے اُس ملک کے علاقوں میں امن وامان خراب کیا تھا اس (سلطان) نے چاہا ان (افغانوں) پر حملہ کیا جائے۔ ان کے وطن کو تاخ وتاراج کیا جائے، غزنی سے اسی واسطے نکلے اور یہ ظاہر کیا کہ گویا کہیں اور جا رہے ہیں اور اچانک ان (افغانوں) پر حملہ آور ہوئے اور تلوار نکال کر بہت سوں کو تباہ کیا۔ (4)

یہ واقعہ اور مورخین نے بھی لکھا ہے۔ رشیدالدین فضل اللہ جس نے جامع التواریخ کو 704ھ میں لکھا تھا اور حمداللہ قزوینی جس نے تاریخ گزیدہ کو سال 730ھ میں تالیف کیا ہے پشتونوں پر سلطان محمود غزنی کے اس حملے کو کم وبیش عتبی کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ (5)

ابن اثیر (555-630ھ) اپنی معروف تاریخ ''کامل'' میں سال 409ھ کے واقعات کے بیان کے ضمن میں ان پشتونوں کا ذکر کرتے ہیں جو غزنی سے باہر ھندوستان کے راستے کے آس پاس آباد ہیں اور کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی نے ان پر حملہ کیا اور بہت قتل کئے، وہ لکھتے ہیں ''اسی سال یمین الدولہ جہاد کی نیت سے ھندوستان روانہ ہوگئے اپنی فوج کو چوکس اور تیار کیا............غزنی سے نکلے اور پہلے راستے میں اس کا آغاز کیا کہ افغانوں کا علاج کیا جائے، افغان کافر اور تباہ کار تھے اور اپنے علاقے اور غزنی کے مابین راستوں پر لوٹ مار کرتے تھے۔ یمین الدولہ ان پر حملہ آور ہوئے آبادی کو تاخ وتاراج کیا اور مالوں کو ضبط کیا (افغان) بہت قتل اور گرفتار ہوئے اور مسلمان ان کا بہت سامال بطور مال غنیمت لے گئے۔ (6)

عنصری بلخی (وفات 431ھ) بھی جو کہ سلطان محمود کے دربار کا ملک الشعراء

تھا پشتونوں پر اس سلطان کے ایک اور حملہ کے ضمن میں پشتونوں کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

"شه گیتی زغزنین تاختن بُرد.........(7)

بر افغانان و بر گبران کهبر..........(8)

فارسی زبان کے بعض دیگر شعراء بھی غزنوی دور میں پشتونوں اور ان کے ملک کا ذکر کرتے ہیں۔اور کہتے ہیں کہ غزنی افیسروں نے ان پر حملے کئے تھے مثلاً غزنی دور کے عظیم قصیدہ نگار مسعود سعد سلمان (448-515ھ) دور غزنوی کے ایک عظیم فوجی کمانڈر ''علی خاص'' کی تعریف میں کہتے ہیں۔

شکسته گشت به تیغ تو لشکر کفار

خراب شد به سپاه تو کشور افغان (9)

ایک اور قصیدے میں لکھتے ہیں۔

گهی شتابان اندر قفائی افغانان

چو اژدهای دژآگه میان غار توی (10)

مسعود سعد کی زندگی کا زیادہ تر حصہ دو غزنوی سلاطین کے دور کے ساتھ منسلک ہے ان میں ایک ابراہیم بن مسعود ہے جس نے سال 450ھ سے لے کر 492ھ تک حکمرانی کی ہے اور دوسرا اس کا بیٹا سلطان مسعود ہے جس نے سال 492ھ سے 509ھ تک حکومت کی ہے۔(11) لہٰذا مسعود سعد ممدوح ''علی خاص'' کو بھی اس دور کا ایک فوجی کمانڈر ہونا چاہئے۔ جب ابن اثیر سال 508ھ کے واقعات لکھتے ہیں اور ان جنگوں کو بیان کرتے ہیں جو کہ سلطان محمود کے پوتوں ارسلان شاہ بن ابراہیم اور بہرام شاہ بن ابراہیم نے سیاسی قوت کیلئے ایک دوسرے سے لڑے تھے، ایک مرتبہ پھر پشتونوں اور ان کے پہاڑوں اور شہروں کا ذکر کرتے ہیں۔

ابن اثیر لکھتے ہیں:-

''جب ارسلان شاہ پھر غزنوی کی حکمرانی پر قبضہ کرنے غزنی گئے وہاں ایک مہینے تک رہے اور اپنے بھائی بہرام شاہ کی تلاش میں تھے اور جب انہیں معلوم ہوا کہ سلطان سنجر کی فوج بہرام شاہ کی مدد کیلئے جارہی ہے، لہٰذا ارسلان شاہ نے جنگ پر بھاگنے کو ترجیح دی اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ اس کی فوج سلطان سنجر سے زیادہ خوف زدہ ہے اوغانوں (12) کے پہاڑوں کو گئے جہاں وہ ارسلان شاہ رہتا تھا سب کو تباہ کیا اور ہر شہر کے لوگوں کو پیغام بھیجا اور ان کی سرزنش کی (13)۔ابن اثیر بعد میں اسی علاقے میں ایک خاص شہر کرمان (کڑمان)(14) کا نام لیتے ہیں اور اہل شہر کو افغان کہتے ہیں، وہ سال 547ھ کے واقعات کے ضمن میں سلطان سنجر اور غوریوں کے زیر عنوان لکھتے ہیں۔

''علاؤالدین حسین........غزنی کے.........شہر پر حملہ کیا اس زمانے میں بہرام شاہ بن ابراہیم بن مسعود بن محمود بن سبکتگین غزنی کا حکمران تھا وہ۔(بہرام شاہ) علاؤالدین کے ساتھ پنجہ ازمائی نہیں کرسکتا تھا اور غزنی سے کرمان کے شہر جو غزنی اور ھند کے درمیان واقع ہے کی طرف بھاگ گیا اس شہر کے باسی ایک قوم ہے جن کا نام افغان ہے یہ شہر کرمان کے نام سے موسوم صوبہ نہیں ہے۔(15) بعد میں محمد قاسم تاریخ فرشتہ میں ان واقعات کے متعلق لکھتے ہیں بہرام شاہ اس بات پر زور دیا کہ غزنی سے کرمان جائے یہ کرمان وہ مشہور کرمان نہیں ہے بلکہ غزنی اور ان کے مابین ایک شہر ہے(16)۔وہ مزید لکھتے ہیں۔''بہرام شاہ ....قلعہ بامیان میں گھسے آخر سلطان سنجر کی قوت اور مدد سے دوبارہ غزنی آئے ارسلان شاہ افغانوں کی طرف بھاگے سلطان سنجر کے لشکر نے اس کا پیچھا کرکے گرفتار کرکے بہرام شاہ کے حوالے کیا اور اُس نے اس کو قتل کردیا۔(17)

فرشتہ ایک اور واقعہ کے ضمن میں بھی اسی طرح دکھاتے ہیں کہ کڑمان اور آس پاس کے علاقوں میں پشتون آباد ہیں وہ سلطان شہاب الدین کے جنازے کو غزنی لے جانے کے واقعے کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ''خواجہ کی موید الملک غور کے امراء کے پاس گئے اور تحمل اور

دلائل کے ساتھ واضح کیا کہ انہیں سیوران (18) اور کرمان کے راستے غزنی جانا چاہیئے (راستے میں) افغانی قبائل اور تباہ کار کفار کے ہاتھوں زیادہ پریشان ہوئے جب کرمان پہنچے سید تاج الدین یلدز سلطان کے تابوت کو وصول کرنے نکلے (19)۔

تیونس کے معروف سیاح ابن بطوطہ بھی اپنے سفرنامے میں پکتیا کے علاقے میں پشتونوں کا ذکر کرتے ہیں جب وہ 1333ء میں کابل سے روانہ ہوتے ہیں اور ہندوستان جانے کے راستے میں پکتیا پہنچتے ہیں وہاں درہ کرماش (20) میں پشتونوں کا سامنا کرتے ہیں۔ ابن بطوطہ نے اس واقعے کو اس طرح بیان کیا ہے۔

''کابل سے کرماش گئے یہ دو پہاڑوں کے درمیان ایک قلعہ ہے اور وہاں افغان لوٹ مار کرتے ہیں، اس علاقے سے لڑتے ہوئے گزرے افغان پہاڑوں کے دامن میں تھے اور ہمارے تیر کمان کے حملوں سے بھاگے، ہمارے پاس تقریباً چار ہزار گھوڑے تھے، جیسا کہ میں اونٹوں کے ساتھ تھا لہٰذا قافلے سے دور تھا۔ ایک تعداد اہل کاروان جس میں کافی تعداد میں افغان بھی تھے میرے ساتھ ساتھ جارہے تھے۔ (21)۔

ایک اور معتبر کتاب جس میں ان علاقوں میں پشتونوں کی سکونت کا ذکر درج ہے وہ ظفر نامہ ہے جو کہ مولانا شرف الدین یزدل نے گوڈ تیمور کی جنگوں اور فتوحات کے بارے میں 828ھ میں لکھا ہے۔ ظفر نامہ میں تیمور اور ان کے جرنیلوں کے ان حملوں کے بارے میں معلومات درج ہیں جو انہوں نے 800ھ اور 801ھ میں پکتیا، بنوں اور کوہاٹ کے علاقوں کے پشتونوں پر کیئے تھے۔

جیسا کہ یہ معلومات پشتون معاشرے کے تاریخی مطالعے کے ضمن میں قابل اعتبار ہیں۔ لہٰذا اس سلسلے میں ہم نے تمام لیکن انتصار کے ساتھ ایسی شکل میں یہاں درج کی ہیں کہ مفہوم میں کوئی تبدیلی نہ آئے۔ (22)

یزدی کہتے ہیں کہ ان علاقوں میں تیمور کے اقدامات اور عملیات اس ملاقات کے بعد شروع ہوئے جو انہوں نے کابل میں پکتیا کے ایک قومی سربراہ کے ساتھ کی تھی، مولانا

لکھتے ہیں جب تیمور ہندوستان جانے کے راستے میں کابل پہنچے وہاں افغانوں کے ایک سربراہ ملک محمد اپنی رعایا کے ساتھ اس کے پاس آیا اور عرض کی کہ کرکس (23) قبیلے کے سربراہ موسیٰ اوغانی اس کا بھائی لشکر شاہ اوغانی جو کہ امیر تیمور کے بندوں میں سے تھا کو قتل کیا ہے، قلعہ اریاب (24) کو تباہ کیا ہے اور ان کے اسباب اور املاک کو زبردستی قبضے میں لے لیا ہے۔

اسی طرح ملک محمد نے تیمور سے کہا کہ موسیٰ اوغانی چوری کرتے ہیں اور لوٹ مار کرتے ہیں اور کوئی بھی ان علاقوں سے سالم نہیں گزر سکتا۔ ملک محمد نے تیمور سے کہا کہ ''میں موت کے خوف سے بھاگ آیا ہوں اور آپکے حضور حاضر ہوا ہوں'' جب تیمور نے ملک محمد کی باتیں سنیں سخت غصہ ہوا اور اسے کہا ''آپ اپنے آپ کو کہیں چھپالو میں چاہتا ہوں کہ موسیٰ اوغانی کو طلب کروں اگر آیا تو اس سے بدلہ لوں گا اور اگر نہیں آیا تو آپ کے حوالے لشکر کروں گا تا کہ اپنے بھائی کا بدلہ لیں'' تیمور نے موسیٰ اوغانی کو اس سلسلے میں ایک فرمان بھیجا کہ ''آپ نے قلعہ اریاب کو تباہ کیا ہے، یہ قلعہ ہند کے راستے کے شروع میں واقع ہے اور اہم ہے آپ فوراً پہنچ جاؤ تا کہ وہ صوبہ آپ کے حوالے کروں تا کہ قلعہ کی دوبارہ تعمیر کرے''۔

جیسے ہی موسیٰ اوغانی تک فرمان پہنچا فوراً تیمور کے پاس آیا تیمور نے موسیٰ اوغانی کی بڑی تعظیم کی اور زردوزی لباس، طلائی کمر بند اور تلوار اور ایک زین شدہ گھوڑا دیکر بہت سے تحائف دیئے اور اسے کہا کہ جاؤ اور قلعہ اریاب کی دوبارہ تعمیر کرو اور کوشش کرو کہ بہت جلد مکمل ہو جائے''۔

تیمور نے تین ہزار مرد اپنے ایک جرنیل کی سربراہی میں موسیٰ اوغانی کے ساتھ روانہ کئے تا کہ قلعہ کی تعمیر میں مدد دیں، موسیٰ اوغانی اریاب گیا اور قلعہ کی تعمیر کا کام شروع کیا، مولانا شرف الدین کہتے ہیں کہ ''روزانہ دو سو سے تین سو افراد ڈھول اور سرنا کے نغموں میں بڑی تیزی کے ساتھ قلعے کی تعمیر میں مصروف تھے''۔

تیمور 800ھ ذی الحج کے مہینے میں کابل سے پکتیا گیا جیسے ہی اریاب پہنچا اپنے

لشکر اور ماہرین کو بھی قلعے کی تعمیر میں حصہ لینے کا حکم دیا اور بہت ...ہی ایک ایسے قلعے کی تعمیر کی جس میں ایک جامع مسجد اور بہت سے رہائشی کمرے اور دیگر چھوٹی مساجد اور جگہیں بھی تھیں۔ تیمور نے اپنے معاونین سے کہا تھا کہ موسیٰ اوغانی کے وہ تمام افراد جو قلعے کی تعمیر میں مصروف تھے کسی کو بھی اپنی جگہوں میں جانے نہ دو موسیٰ اوغانی کے افراد کو اس بات کا علم ہو گیا تھا، تیمور ایک دن باہر گیا تھا اور قلعہ کے گرد چکر لگا رہا تھا کہ موسیٰ اوغانی کے سات پیروکار جو کہ قلعے میں کام کر رہے تھے ایک بالا خانے کے دروازے کے پیچھے گئے جب تیمور اس دروازے کے سامنے پہنچے قلعے کی کھڑکی سے ایک تیر اس پر چلایا گیا تیر تیمور کے قریب لگا اور گھوڑا اڈر گیا تیمور نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ موسیٰ اوغانی اور اس کے تمام پیروکار جنہوں نے قلعہ کی تعمیر میں حصہ لیا تھا کو گرفتار کیا جائے، اُن سات افراد جنہوں نے تیمور پر تیر چلایا تھا نے جنگ کا آغاز کر دیا اور کئی افراد زخمی کر دیئے۔ تیمور کے لوگوں نے یہ سات افراد قتل کئے اور موسیٰ اوغانی اور اس کے دوسو افراد گرفتار کر لئے اور ملک محمد اوغانی کے حوالے کئے۔ ملک محمد اوغانی نے سب قتل کئے اور اُن کے سروں کے مینار بنائے پھر تیمور نے اپنے لوگوں کو حکم دیا کہ موسیٰ اوغانی کے لوگوں پر حملہ کر دو، انہوں نے موسیٰ اوغانی کے لوگوں کے تمام مرد قتل کر دیئے، عورتیں، بچے اور دیگر اشیاء کو اریاب کے لوگوں میں تقسیم کئے۔ تیمور نے ملک محمد کو اس کے بھائی لشکر شاہ اوغانی کی جگہ اس صوبے کا گورنر مقرر کیا اور قلعہ اریاب کو بھی اس کے حوالے کیا۔ تیمور اریاب سے شلوازن (25) گیا اور وہاں شہزادہ خلیل سلطان کو حکم دیا کہ کئی امراء کے ساتھ بانو (26) جائیں اور وہ خود چار ہزار سواروں کے ساتھ نغر (27) گیا وہاں انہیں بتایا گیا کہ پرنیان (28) نامی قبیلے نے اس کی اطاعت سے سرکشی کی ہے اور جنگی افراد مہیا نہیں کئے ہیں تیمور کو یہ بھی بتایا گیا کہ جس وقت شہزادہ پیر محمد کا لشکر ہندوستان سے مال غنیمت اور غلاموں کے ساتھ کابل روانہ ہوا پرنیان قبیلے کے افراد ان پر حملہ آور ہوئے اور لشکر کو لوٹ لیا۔

تیمور نے جب یہ باتیں سنی تو سخت غصہ ہوا اور اسی دن اوغانوں کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوا تین دن بعد پہنچا اور جنگی عملیات کا آغاز کیا پرنیان قبیلے کے بہت زیادہ افراد قتل کئے

بچوں کوقیدی بنایا مال اور اسباب لوٹ لیا اور گھروں کو جلا دیا تیمور کچھ عرصے کیلئے مزید وہاں رہا اور چاہتا تھا کہ پرنیان قبیلے کی بنیادوں کو ختم کر دے اور مکمل تباہ کر دے لیکن پرنیان قبیلے کا اوبل نامی سربراہ تیمور کے پاس معافی کا خواست گار ہوا تیمور نے مزید تباہی نہیں کی اور اس کی تعظیم کی اور خود 801ھ میں محرم الحرام کے مہینے میں نغر چلا گیا لیکن وہ نغر تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ امیر سلیمان شاہ نے کلانی (29) اوغانوں کے قبیلے بقول مولانا شرف الدین کہ "ایک بڑا بہادر اور باہمت قبیلہ تھا" پر حملہ کیا سلیمان شاہ نے اس کے باوجود کہ مولانا کہتے ہیں "بہادر اور تندومند لوگ تھے" شکست دی بہت سوں کو تہہ تیغ کیا باقی گرفتار کیئے بچوں کو قیدی اور گھر لوٹ لئے تیمور نغر سے بانو اور بانو سے ہندوستان گیا۔

مولانا شرف الدین لکھتے ہیں کہ تیمور ہندوستان سے واپسی کے وقت بھی بانو میں ٹھہرے اور وہاں پیر علی تاز اور امیر حسین قوجین اور دیگر سردار جنہوں نے تیمور کے فرمان کی بنیاد پر "اوغانوں کے فسادات دفع کرنے کی خاطر بنوں میں مقیم تھے" کئی گھوڑے اور ہزار بیل جو کہ بنوں اور آس پاس کے علاقے کے لوگوں سے زبردستی لئے گئے تھے تیمور کے پاس لے گئے تیمور نے گھوڑے اپنے سرداروں کو بخش دیئے البتہ بیل دوبارہ اپنے مالکوں کے حوالے کیئے۔ مولانا کہتے ہیں کہ تیمور بانو سے نغر گئے "محمود برات خواجہ اور ہندو شاہ کو کابل روانہ کیا تا کہ وہاں سے لشکر افغانوں کے فسادات دفع کرنے کے لئے لے جائے۔" تیمور اس قلعے کو توسیع دینے کی خاطر نغر میں رہ گیا جو کہ سلیمان شاہ نے "افغانوں کے فساد کو دفع کرنے کے لئے بنایا تھا" اس کام کی تکمیل کے بعد درہ کرماش کے راستے کابل روانہ ہوئے یہاں مولانا ایک صوفی پشتون کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ "شیخ احمد خواجہ، خواجہ افغانی عالم پناہ (تیمور) کے حضور مشرف ہوئے" تیمور کرماش سے لوگر اور لوگر سے کابل جاتا ہے۔

"ایک اور کتاب جو کہتی ہے کہ ان علاقوں میں پشتون آباد تھے وہ تواریخ حافظ رحمت خانی ہے جو کہ دراصل خواجہ ملیزئی نے تواریخ افاغنہ کے نام سے 1033ھ کی حدود میں اور پھر پیر معظم شاہ نے 1181ھ میں حافظ رحمت خان کی ہدایت سے اپنے الفاظ میں

تواریخ حافظ رحمت خانی کے نام سے تحریر کی۔تواریخ بابر کے ۔ الغ بیگ میرزا کے زمانے میں کُرم کو خیشگی پشتونوں کا وطن کہتے ہیں اور لکھتے ہیں'' فاطمہ گدائی کے بیٹے ابراہیم الیاس زئی یوسفزئی نے اغواء کیا کابل سے کُرم لے گئے جو کہ خیشگیوں کا علاقہ ہے''(30) بابر نے بھی پکتیا کے مختلف علاقوں پر اپنے حملوں اورلوٹ مار کے بیان کے ضمن میں اس علاقے کے پشتونوں کے بارے میں نہایت خوبصورتی سے ذکر کیا ہے لیکن ہم نے ان کا پشتونوں کے بارے میں بابر کے دیگر بیانات کے ساتھ ساتویں باب میں ذکر کیا ہے۔

پشتون غزنی میں

تحریری اسناد میں غزنی کے علاقے میں بھی زمانہ قدیم سے پشتونوں کا ذکر موجود ہے۔عبدالحئی بن ضحاک گردیزی جنھوں نے تاریخ گردیزی 442ھ اور 443ھ کی حدود میں لکھی ہے غزنی کے پہاڑوں میں پشتونوں کو آباد گردانتا ہے اور ایک جگہ مسعود بن محمود غزنوی کے دور کے واقعات کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

''اور جیسا امیر هپیان (31) پہنچا وہاں قیام کیا............اور امیر ایزدیار کو غزنی کے پہاڑوں کی طرف روانہ کیا جہاں عاصیان افغان رہتے تھے اور (اسے) سے کہا اس صوبے کو قابو میں رکھنا (خیال رکھنا) کہ وہاں کوئی شورش نہ ہو''(32)

تواریخ حافظ رحمت خانی بھی غزنی میں پندرہویں عیسوی صدی سے قبل پشتون وہاں آباد گردانتی ہے اور لکھتی ہے''یوسف زئی گاڑہ اور نشگی اور غوریہ خیل خصوصاً خلیل ترنک اور مقر اور قرہ باغ میں آباد تھے''(33)۔

اسی دور کے واقعات کے بارے میں لکھتے ہیں''شیر میر داد افغان خلیل متی زئی بابا......کئی ایک مرشدوں کے ساتھ جن کی تعداد تقریباً تین سو پچاس (350) تک تھی........ترنک۔قلات اور کندھار سے لاشوڑے کے علاقے میں وارد ہوئے''(34)

تواریخ ایک جگہ اور کہتی ہے کہ''اسی زمانے میں داؤدزئی اور بعض مومند جو کہ مُقر اور قرہ باغ سے آئے تھے وہ کابل کے گردونواح میں آباد تھے اور بعض مومند بھی مقر اور قرہ

باغ اور گردونواح میں آباد تھے۔اور بعض مومند مُقر اور قرہ باغ میں تھے۔(35)

حافظ رحمت خان نے بھی خلاصۃ الانساب میں جو کہ 1184ھ میں لکھی گئی ہے لکھتے ہیں کہ ''افغان ہندوستان پر سلطان محمود غزنوی کے حملوں کے وقت ت کندھار اور غزنی کے علاقوں میں آباد تھے''۔(36)

سیرت جلال الدین منکبرنی جو کہ ساتویں ہجری صدی کے اوّل نصف میں لکھی گئی ہے میں لکھتے ہیں، خوارزم کے شہنشاہوں اور چنگیزیوں کے مقابلوں اور جنگوں کے بیان کے ضمن میں افغانوں کی ایک بڑی تعداد ''صاحب افغان'' کے نام سے یاد ہوئے ہیں اور اس طرح بیان ہوا ہے جب جلال الدین خوارزم شاہ کا بڑا بیٹا 618ھ میں غزنی پہنچا وہاں وہ صاحب افغان مظفر ملک اور حسن قسراق جن کے پاس تیس (30) ہزار گھوڑ سوار تھے اس کے ساتھ اکٹھے ہوئے''(37)

مولانا عبدالرزاق سمرقندی مطلع السعدین میں جو کہ 872ھ اور 876ھ کے درمیان لکھی گئی، میں لکھتے ہیں ''غزنی صوبے اور شہر کے معزز........عالم پناہ کے دربار میں حاضر ہوئے، برمل کے خیل خانے اور خرشوانے کے افغان مشرف ہوئے''(38)

غزنی دور کے عظیم مورخ ابوالفضل بیہقی (385- 479ھ) مسلسل غزنی میں افغان شال کے نام سے ایک جگہ کا ذکر کرتے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''انہوں۔معززین اور سرداروں کے ایک ساتھ افغان شال گئے اور امیر عادل سبکتگین کے مزار پر ٹھہرے(39) پھر لکھتے ہیں کہ ''امیر پھر محمودی محل افغان شال آئے''(40) پھر لکھتے ہیں''دینار اور درہم اور سب کچھ افغان شال میں بازاروں میں قربان کئے''(41) پھر لکھتے ہیں..........دارالملک پہنچ کر افغان شال میں محمود محل میں مبارک باد کیلئے ٹھہرے''(42) ایک بار پھر لکھتے ہیں''افغان شال کی طرف جائیں''(43)

بیہقی کی ان یادہانیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزنویوں کے دارالخلافہ کے وسط میں ایک جگہ پشتونوں سے منسوب ہے اور سلطان محمود کے والد بھی یہاں دفن ہیں۔

غزنیوں کی دارالحکومت اور دربار کے ساتھ پشتونوں کی تعلق کے بارے میں بعض دیگر معتبر آثار میں بھی کچھ معلومات درج ہیں۔

مبارک شاہ فخر مدبر آداب الحرب جو (626ھ سے 633ھ) تک کے درمیانی عرصے میں لکھی گئی ہے، میں لکھتے ہیں کہ ادیرا نامی افغان جو کہ پشاور کے آس پاس کسی علاقے کا کوتوال تھا غزنی میں سلطان محمود کے دربار گئے اور اسلام قبول کیا اور سلطان کے ساتھ ہوا۔ خواجہ نعمت اللہ ھروی نے سلطان محمود اور سلطان مسعود کے درباروں میں پشتونوں کے بارے میں ایک روایت درج کی ہے جو اور بھی بہت سی کتابوں میں مزکور ہے، لکھتے ہیں ''افغانوں کے نو سربراہان سلطان محمود کے دربار میں حاضر ہوئے ان نو افراد کے نام تاریخوں میں اس طرح درج ہیں۔ ملک خانوی، ملک عامون، ملک داوُد، ملک یحییٰ، ملک احمد، ملک محمود، ملک محمد، ملک عارف اور ملک غازی.........سلطان نے (ان سربراہوں کی) بہت تعظیم کی اور اپنے ساتھ لے لئے، سومنات اور ہندوستان میں جہاد کیلئے روانہ ہوئے۔ جب بھی مسلمان مشکلات سے دوچار ہوجاتے تو ان سربراہان کو ان کی سپاہ سمیت اس مشکل کیلئے ابھارتے اور یہ مشکل اللہ تعالیٰ ختم کردیتا۔ مختصر عرصے میں (یہ سربراہ) اہل دولت اور سلطنت کے امور میں اہل دخل اور اہل اعتماد بنے، جب سلطان محمود کا 421ھ ربیع الاخر کے ساتویں دن جمعرات کو انتقال ہوا۔ اُن کے بیٹے سلطان محمود اور سلطان مسعود اس کے ساتھ اسی قسم کا سلوک کرتے تھے۔ (45)

نواب محبت خان ریاض المحبت (تالیف 1806ء) میں کہتے ہیں کہ سلطان محمود اور پشتونوں کے درمیان خاندانی تعلقات بھی تھے وہ لکھتے ہیں ''جب اس حکمران (سبکتگین) کا انتقال ہوا اس کے بیٹے اسمٰعیل جس کی ماں لونڈی تھی نے اُس کی جگہ سنبھال لی۔ لیکن محمود جس کی والدہ زابل کے کسی خان کی بیٹی تھی اس اقدام کے مخالف تھی کہ (اسمٰعیل) وال کی جگہ سنبھال لے۔ لہٰذا اس کے ساتھ جنگ شروع کی افغان جو کہ (زابل کے) اس خاندان کے ساتھ قیدی تھے اس کے نواسے بہ الفاظ دیگر اس کی بیٹی کے بیٹے کے

ساتھ شامل ہوئے، محمود نے اس تعاون کے بدلے اپنی ایک بیٹی افغانوں کے اس قبیلے کے سربراہ شاہو کو بیاہ کر دی۔ اس بیٹی نے تین بیٹوں سالار، مسعود اور غازی کو جنم دیا (46) جس طرح اوپر ذکر ہوا کہ بعض غزنوی سلاطین آڑے وقت میں پشتونوں کے ہاں پناہ لیتے رہے ہیں اور جس طرح آنے والے بابوں میں اس پر تفصیلاً بحث ہوگی بعض کتب غزنوی حکمرانوں کی افواج میں ہزاروں پشتونوں کو شامل گردانتا ہے اور سلطان محمود کی بعض اہم کامیابیاں بھی ان کی مرہون منت سمجھتے ہیں، یہ کہنا چاہیئے کہ بابرنامہ میں بھی غزنی اور آس پاس کے پشتونوں کے بارے میں بہت کچھ موجود ہے اور ہم نے پشتونوں سے متعلق بابرنامہ کے دیگر مطالب کے ساتھ ساتویں باب میں اس پر بحث کی ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ مقر اور وازی خوا کے علاقوں میں بابر کی بہت سی باتیں خلجی پشتونوں کے بارے میں ہیں اور بعض مشرقی اور مغربی محققین اور مؤلفین نے بھی خلجی ان ترکوں کے ساتھ شامل کئے ہیں جو کہ قدیم متون میں خلج یا خلخ کے نام سے مزکور ہیں، آیئے دیکھیں کہ ان کے اس دعوے میں کتنی صداقت ہے۔

خلجی اور غلزئی

کئی مؤلفین اور محققین قدیم اسلامی آثار کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ ایک زمانے میں خلجی جو در اصل ترک ہیں زابلستان بھیجے گئے وہاں آباد ہوئے اور اپنی زبان اور عادات کھو گئے۔ زابلستان کے لوگوں کی زبان اور عادات اپنائیں اور پشتون خلجی یا غلزئی سامنے آئے۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے سب سے قدیم کتاب جس میں زابلستان کی مقامی آبادی میں ترک خلجیوں کے منحل ہونے کی بات درج ہے۔ وہ محمد بن نجیب بکران کا جہاں نامہ ہے جو (605ھ) میں لکھی گئی اور (1375ھ ش) میں ڈاکٹر امین ریاحی کی کوشش سے تہران میں چھپی ہے۔

جہان نامہ کہتا ہے کہ ”ترکوں کی ایک قوم خلج خلنج کے آس پاس کے علاقوں سے زابلستان گئی اور ایک صحرا میں جو کہ غزنی کی طرف ہے میں آباد ہوئی۔ بعد میں گرم ہواؤں کی

وجہ سے چہرے تبدیل ہوکر سیاہ مائل اور زبان تبدیل کی (47)

جیسا کہ خلجیوں کی ہجرت اور زابلستان کی مقامی آبادی میں ان کے منحل ہونے کا ذکر جہان نامہ میں ہوا ہے اور جیسا کہ جہاں نامہ (605ھ) میں لکھی گئی ہے لہٰذا خلجیوں کی ہجرت اور زابلستا ن میں ان کے منحل ہونے کا واقعہ یقیناً (605ھ) سے پہلے ہوا ہے۔ جہاں نامہ کے متن سے یہ بھی واضح ظاہر ہوتا ہے کہ ان مہاجرین کا چہرہ اور زبان جہان نامہ کے لکھنے کے وقت سے پہلے تبدیل یعنی سیاہی مائل ہوا تھا اور زبان بھی اس سے پہلے تبدیل ہوئی تھی۔

اگر کوئی جہان نامہ کی بات تسلیم کرلے اس کو ضرور یہ بھی ماننا ہوگا کہ ترک خلجی چھٹی ہجری صدی کے اواخر سے بہت پہلے زابلستان بھیجے گئے ہیں۔ اس لئے اس زمانے میں خلجیوں جیسی بہادر قوم میں اتنی تبدیلی اور زابلستان کی ایک مقامی قوم میں منحل ہونا، سالوں عشروں کا نہیں بلکہ صدیوں پر محیط عمل ہے اس لحاظ سے پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ترک خلجی کم از کم دوسری ہجری صدی یا تیسری ہجری صدی میں زابلستان بھیجے گئے اور پھر اس علاقے کی مقامی آبادی میں منحل ہوئے ہیں۔ جو مؤلفین اور محققین کہتے ہیں کہ ترک خلجی زابلستان کی مقامی آبادی میں منحل ہوئے اور نتیجہ کے طور پر پشتون غلزئی میں تبدیل ہوئیوہ درحقیقت اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ کم از کم دوسری اور تیسری ہجری صدی کی حدود میں زابلستان کے مقامی لوگ پشتون تھے۔ اس لئے جہان نامہ کہتا ہے کہ ترک خلجی اپنی زبان کھو گئے اور زابلستان کے مقامی لوگوں کی زبان سیکھ گئے اگر ترک خلجیوں نے زابلستان کے مقامی لوگوں کی زبان سیکھی ہے اگر غلزیوں کی زبان پشتو ہو اور غلزئی اور خلجی بھی اکٹھے ہو گئے۔ لہٰذا خلجیوں کی ہجرت کے زمانے میں زابلستان کے مقامی لوگوں کی زبان یقیناً پشتو تھی اگر ایسا نہ ہو تو نہ خلجیوں کو پشتو سیکھنا چاہیئے تھا اور نہ ہی غلزیوں کی زبان کو پشتو ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن بعض لوگ ایک طرف کہتے ہیں کہ ترک خلجی زابلستان بھیجے گئے اور اُس علاقے کی مقامی زبان اور عادات اپنائے اور نتیجہ کے طور پر پشتون غلزئی بنے اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ ''پشتونوں

نے چودھویں اور پندرھویں عیسوی صدی میں غزنی کی سطح مرتفع پر قبضہ کیا'' (48)۔اور یہ دو باتیں آپس میں متصادم ہیں اسلئے کہ اگر خود پشتونوں کو آٹھویں اورنویں ہجری صدی میں بھیجا گیا تو پھر ترک خلجی کیسے اسی جگہ اس سے بہت پہلے یعنی تیسری اور چوتھی ہجری صدی کی حدود میں منحل ہوئے ہیں؟ اور اگر ترک خلجی زابلستان کے ءمقامی آبادی میں تیسری اور چوتھی ہجری صدی کی حدود میں منحل ہوئے اور پشتون غلزئی بنے ہیں پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ پشتون اس کے بہت بعد یعنی آٹھویں اورنویں ہجری صدی کی حدود میں غزنی اور زابلستان بھیجے گئے ہیں؟ ان باتوں میں سے یقیناً ایک غلط ہے لیکن کون سی غلط ہے یہ ان لوگوں کی ذمہ داری ہے جو کہتے ہیں کہ ترک خلجی زابلستان کے مقامی لوگوں میں منحل ہوئے ہیں اور نتیجہ کے طور پر پشتون غلزئی بنے ہیں۔

پشتون کابل کے علاقوں میں

قدیم آثار نے کابل میں بھی پشتونوں کی موجودگی کا ذکر کیا ہے۔ابن بطوطہ کا سفر نامہ سب سے قدیم معلوم کتاب ہے جو کہتی ہے کہ کابل میں افغان آباد ہیں، جب ابن بطوطہ 1333ء میں کابل سے گزرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس جگہ کے باسی افغان ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ'' کابل پہلے ایک بڑا شہر تھا (لیکن ابھی) ایک گاؤں باقی رہ گیا ہے اور عجمیوں کا افغان نامی طائفہ اس میں آباد ہے افغانوں کے پہاڑوں میں مضبوط گھر ہیں اور بہت بہادر لوگ ہیں''۔(49) ابن بطوطہ بات جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ' وہاں کوہ سلیمان کے نام سے ایک بڑا پہاڑ ہے افغانوں کا بادشاہ بھی وہاں رہتا ہے''۔(50) ابن بطوطہ اپنے سفرنامے میں کابل میں ایک نامور صوفی افغان کا نام بھی لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ'' کابل میں شیخ اسمٰعیل کے نام سے ایک خانقاہ بھی ہے اور شیخ اسمٰعیل افغانی شیخ عباس نامی عظیم ولی کا شاگرد تھا۔(51)

لیکن جس کتاب میں کابل شہر اور آس پاس کے علاقوں میں پندرویں عیسوی صدی میں پشتونوں کے حالات کے بارے میں مفصل ذکر موجود ہے وہ تواریخ حافظ رحمت

خانی ہے۔تواریخ میں اُس ہجرت کے ضمن میں جس میں کہتے ہیں کہ یوسف زئی پشتونوں نے پندرویں عیسوی صدی کی حدود میں کندھار سے غزنی اور کابل کو کیا تھا میں لکھتے ہیں کہ ''یوسف زئی کابل کے علاقوں میں زیادہ شان وشوکت کے مالک ہوئے اور کابل کی تمام حدود اور مضافات کواپنے قبضے میں لے لیا۔(52)

پھر لکھتے ہیں کہ '' کابل کا بادشاہ الغ بیگ مرزا تھا لیکن اصل قدرت اور اختیار یوسف زئیوں کے سربراہ ملک سلیمان شاہ کے پاس تھا۔(53)

پھر لکھتے ہیں کہ کابل میں ''یوسف زئی ہر جگہ غالب تھے۔مرزا الغ بیگ کی پرواہ نہیں کرتے تھے اپنے اختیار کے مالک تھے جو کچھ ملک سلیمان شاہ اور یوسف زئی چاہتے تھے وہی ہوتا تھا.........مزکت کا بیٹا اسمٰعیل ایک بدمست اور ظالم شرابی تھا، اچھے لوگوں کو زبردستی پکڑتا اور ایک پیالہ شراب ان پر زبردستی فروخت کرتا اور بازار میں ظلم اور طاقت سے قیمتیں کم کرتا اور اشیاء خریدتا اور کوئی اس کا راستہ نہیں روک سکتا تھا''۔(54)۔

تواریخ یہ ظاہر کرتی ہے کہ پندرویں عیسوی صدی کے دوسرے نصف میں پشتون کابل اور کابل کے مضافات میں آباد اور مسلط لوگ ہیں۔یہ کہ ان علاقوں میں کتنے پشتون آباد تھے اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن تاریخ یہ بات واضح طور پر کہتی ہے کہ کابل کے اس وقت کے حکمران الغ بیگ نے صرف یوسف زئی قوم کے سات سو سربراہ ایک ہی دن قتل کیئے۔(55)

کابل اور آس پاس کے علاقوں میں پشتونوں کی رہائش اور حالات کے بارے میں بابر نامہ میں بھی بہت کچھ موجود ہے اور ہم نے ساتویں باب میں اس پر بحث کی ہے۔

پشتون ننگرہار اور پشاور کے علاقوں میں

قدیم تحریری آثار میں ان علاقوں کے پشتونوں کے بارے میں بھی کافی ذکر موجود ہے جو کہ ننگرہار سے لے کر اباسین کے کنارے تک واقع ہیں۔حدود العالم من المشرق الی المغرب اسلامی دور کی پہلی کتاب ہے جو کہ چوتھی صدی ہجری میں ننگرہار کے علاقوں میں

پشتونوں کا ذکر کرتی ہے جب اس کتاب کا مؤلف ننگر ہار اور لغمان کے علاقوں کے بارے میں بحث کرتے ہیں، لکھتے ہیں کہ ''بھیار ایک جگہ ہے جس کا بادشاہ مسلمان خو ہے اور آس پاس تیس (30) سے زائد مسلمان، افغان اور ھندوی عورتیں ہیں دیگر لوگ بت پرست ہیں اور ان کے پاس تین بڑے بت ہیں''۔(56)

لگتا یہی ہے کہ حدود العالم کے پیدا شدہ نسخے کے کاتب نے پہلی عبارت کے پہلے لفظ کا نقطہ سہواً غلط لگایا ہے اور ننھار کی بجائے بنھیار کر دیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ایک تو حدود العالم کے متن کے انداز ے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف ننگر ہار کے علاقے کے بارے میں بحث کرتا ہے اور دوسرا یہ کہ بحث کے ضمن یہ لفظ واضح طور پر ننھار لکھا گیا ہے۔ ''اوبل وہ نہر ہے جو لمغان اور دنپور کی حدود میں پہاڑوں سے نکلتا ہے اور ننھیار کی حدود سے گزرتا ہے''۔(57) حدود العالم کا شارح مینورسکی بھی اس لفظ ننھار کو موجودہ ننگر ہار سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا مطلب نو نہریں ہیں۔(58)

عبدالجبار عتبی ان جنگوں کے بیان کے ضمن میں جو سبکتگین نے کابل کی مشرقی حدود سے پشاور کے آس پاس کے علاقوں تک ہندو بادشاہوں کے سربراہوں سے لڑے ہیں ان علاقوں میں پشتونوں کا ذکر کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ سبکتگین کی جنگوں نے ہندوؤں کے لشکر پر ایک حملہ کیا بہت زیادہ تباہ کیئے اور باقی اغواء کر لئے بعد میں ہندوؤں نے ان علاقوں سے قطع تعلق کیا اور ان صوبوں سے ہاتھ دھو لیئے .... افغانی اور خلجی عوام جو ان علاقوں کے خانہ بدوش تھے ناصر الدولہ کے لوگوں میں شامل ہوئے''۔(59)

ابن اثیر بھی کامل میں 366ھ کے واقعات کے بیان کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ سبکتگین کی افواج نے ہندوؤں کو شکست دی اس واقعے کے بعد ''ہندو ذلیل ہوئے۔ان کے پاس جھنڈا نہیں تھا اور یہ تسلیم کیا کہ ملک کے ایسے علاقوں میں جانا چاہیئے جہاں کوئی نہیں جا سکتا ہو جیسا کہ اس واقعے کے بعد سبکتگین قوت اور شان وشوکت کا مالک بن بیٹھا افغانوں اور خلج نے ان کی اطاعت قبول کی۔(60)

بعد میں رشید الدین فضل اللہ جامع التواریخ میں (تالیف 704ھ) یہ ذکر تقریباً العتبی کے الفاظ میں درج کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ امیر ناصر الدین'' نے بہ نفس نفیس حملہ کیا وہ علاقے اسلامی ممالک میں شامل ہوئے افغانوں اور خلجیوں کے گروہ جوان علاقوں کے خانہ بدوش تھے اس کے لوگوں میں شامل ہوئے۔(61)

محمد قاسم نے بھی یہ واقعہ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے اور لکھتے ہیں کہ'' اس فتح کے بعد ....سبکتگین نے اپنے کمانڈروں میں سے ایک کو پشاور میں چھوڑا اور افغان اور خلج کی قومیں جو ان علاقوں کے خانہ بدوش تھے اپنے سپاہیوں میں شامل کئے اور خود غزنی گیا۔(62) میر خواند نے بھی یہ ذکر روضۃ الصفا میں درج کی ہے۔(63)

ابوریحان البیرونی (وفات 440ھ) بھی تاریخ ہند میں لکھتے ہیں کہ ان علاقوں میں افغان آباد ہیں وہ لکھتے ہیں'' ان پہاڑوں میں جو مغرب کی طرف ہند کی سرحد کی تشکیل کرتے ہیں ہندؤں یا ان لوگوں کے قبائل رہائش پذیر ہیں جوان (ہندؤں) کے ساتھ قریبی تعلقات رکھتے ہیں یہ سرکش اور جفاکش اقوام ہندؤں طائفوں کے دُور ترین سرحدات تک آباد ہیں''۔(64)

بیرونی آگے اس کتاب میں واضح طور پر کہتے ہیں کہ یہ جفاکش لوگ افغان ہیں وہ لکھتے ہیں کہ'' ہند کے مغربی سرحد کے پہاڑوں میں افغانوں کے متعدد قبائل آباد ہیں اور وادی سندھ کے بڑوس تک پھیلے ہوئے ہیں''۔(65) بیرونی اپنے دیگر آثار میں بھی ان پہاڑوں کو افغانوں کے پہاڑوں کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

صیدنہ میں لکھتے ہیں کہ:'' داسطوخوزس..................اس طرح ہند کی سرزمین پرشاور (پشاور) اور افغانوں کے پہاڑوں کے مابین دھک (66) کی طرف اُگتا ہے۔ (67)

اسی کتاب میں پھر لکھتے ہیں کہ'' جبال الافغانیہ (68) میں ایک قسم کا وحشی زیتون پیدا ہوتا ہے جس کے چھوٹے چھوٹے دانے ہوتے ہیں''(69)

بیرونی ایک اور کتاب الجواھر میں لکھتے ہیں کہ "سونا افغانوں کے تغر کے علاقے میں پیدا ہوتا ہے"۔(70)۔شیخ ربوہ (وفات 727ھ) بھی افغانوں کے پہاڑوں کا ذکر کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مطلب بھی یہی پہاڑ ہیں وہ لکھتے ہیں کہ "سوئم اقلیم ....گجرات سے ....اور افغانوں کے پہاڑوں (71) اور ملتان سے سندھ تک واقع ہے"۔(72)

ابوالفرج رونی سلطان علاؤالدولہ مسعود بن المظفر ابراہیم کے دور کا شاعر ہے۔ اسی سلطان نے جو کہ 492ھ سے 508ھ تک حکمرانی کی ہے ہند میں بہت سے فتوحات حاصل کی ہیں۔(73)

رونی نے ان فتوحات کی تعریف کی ہے اور قصیدے کے ایک شعر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غزنوی دور میں اباسین کے کنارے قدیم شہر موھند یا وھند کے باسی بھی پشتون ہیں رونی کہتے ہیں

لشکر منصور اوھنوز بہ موھند
برتن افغان تنیدہ است فغان را۔ ‹74›

قدیم معتبر آثار موہن یا وھند یا ہیھند اباسین کے کنارے ایک شہر اور گندھارا کا دارالحکومت سمجھتے ہیں۔ بیرونی جب قدیم ہند کی جگہوں اور حالات کے بیان کرنے کے بارے میں اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہے ویھند کو گندھارا کا ایک قصبہ اور دارالحکومت سمجھتے ہیں وہ صفت المعمورہ میں لکھتے ہیں "ویھند وادی سندھ میں القندھار (گندھارا) کا ایک قصبہ ہے"۔(75)

وہ جب تاریخ ہند میں ہند کے دریاؤں، شاہراہوں اور مختلف علاقوں کے بارے میں بحث کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ جب انسان "شمال مغرب کی طرف روانہ ہوتا ہے آٹھ فرسخ کے بعد دریائے بیات کے مغرب میں دریائے جہلم سے بیس فرسخ کے بعد دریائے سندھ کے

مغرب میں قندھار کے دارالحکومت ویہند کو اور (پھر) پرشاور (پشاور) تک پہنچتا ہے (76)

اسی کتاب میں پھر لکھتے ہیں ''غوروند ایک بڑا دریا ہے اور القندھار کے دارالحکومت یعنی ویہند کے لوئر بتورقصر کے نزدیک دریائے سندھ میں جا گرتا ہے''۔(77)

ایک اور جگہ اسی کتاب میں ویہند کی وقوع کو درجوں اور دقیقوں میں ظاہر کرتا ہے اور لکھتے ہیں کہ ''پرشاور چونتیس 34 درجوں اور چوالیس 44 دقیقوں ویہند چونتیس 34 درجوں اور بیس 20 دقیقوں عرض بلد پر واقع ہے''(78)

منہاج السراج جوز جانی کی طبقات میں بھی لفظ ویہند بار بار آیا ہے اور وھند، ویہند بھند، وھند اور یہند کی شکل میں درج ہے ایک جگہ طبقات میں درج ہے کہ ''جس رات محمود (غزنوی) کی ولادت ہوئی وھند یا بیھند ....کے بت خانہ جو برشابور (پشاور) کی حدود میں دریائے سندھ کے کنارے واقع تھا تباہ ہوا''۔(79)

البیرونی اور جوز جانی کے بیانات یہ بتاتے ہیں کہ کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ ویہند یا موھند اباسین کے کنارے ایک شہر اور گندھارا کا دارالحکومت ہے اور رونی کہتے ہیں غزنوی لشکر موھند میں افغانوں پر ٹوٹ پڑا اس بات کا مطلب یہ ہے کہ اباسین کے کنارے اسی اہم شہر میں بھی پشتون رہتے تھے یہ جگہ ھنڈ کے نام سے موسوم ہے۔

فرشتہ بھی کہتے ہیں کہ سلطان محمود نے 391ھ اور 392ھ کے درمیان ویہند پر حملہ کیا اور اس علاقے کے پشتون تباہ کیے، وہ لکھتے ہیں کہ '' سلطان محمود نے 391ھ میں پھر ....قلعہ بیھند گیا اور اس پر قبضہ کیا.........جیپال اور دیگر قیدی آزاد کیے (لیکن) افغانی سربراہ قتل کیے اور بعض بطور نوکر اپنے ساتھ لے گئے''۔(80)

جو بات مبارک شاہ فخر مدبر نے آداب الحرب (تالیف 626-633ھ) میں اویرا نامی پشتون کے بارے میں لکھی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پشتون عصر غزنوی میں پشاور اور گردونواح میں آباد اور ہندوؤں کے دربار سے محشور ہیں۔ مبارک شاہ لکھتے ہیں ''مؤلف کسی کام کے واسطے پرشور (پشاور) سے بگرام اور شاپور جا رہا تھا پشاور کا ایک فہمیدہ

بزرگ بھی ہمراہ تھا.......(بزرگ نے اسے کہا) سلطان یمین الدولہ محمود (غزنوی)..........
کے دور میں اودیرا نامی پشتون درہ نرکا کوتوال تھا اودیرا بادشاہ جیپال سے اسی لئے ڈرتا تھا کہ ایک
دن جیپال کے ساتھ بیٹھا تھا (بادشاہ) نے اس کی طرف توجہ کی (اور اسے) کہا اودیرا آپ لوگ
بیل کا گوشت کھاتے ہیں؟ اودیرا نے جواب دیا کہ میں نہیں کھاتا لیکن..............''۔(81)

فرشتہ بھی ابوالحسن علی بن مسعود بن محمود کے سال جلوس کے واقعات کے ضمن میں
پشتون پشاور سے ملتان اور سندھ تک پھیلے ہوئے دکھاتے ہیں اور لکھتے ہیں'' علی بن ربیع
میرک وکیل کے ہمراہ............کئی غلاموں اور امیروں کے ساتھ پشاور بھاگ گیا اور وہ
علاقہ ملتان اور سندھ تک حاصل کیا اور افغان جو کہ بربادی کرتے تھے کو بزور شمشیر مطیع
کیا''۔(82)

تواریخ حافظ رحمت خانی بھی پندرویں عیسوی صدی کے اواخر میں کابل سے
اباسین کے مشرقی کناروں تک پشتونوں کو پھیلے ہوئے اور آباد گردانتے ہیں۔ان میں سے
بعض پر پہلے ہی بحث ہو چکی ہے لیکن پشاور سے متعلق وہ لکھتے ہیں''اُس زمانے میں پشاور
میں آباد دلزاک بہت طاقتور اور قبضہ گر تھے۔ پشاور، دوآبہ، باجوڑ، ننگرہار کالہ پاڑی دریائے
ہزارہ تک یہ تمام ممالک دلزاکوں کے تھے۔ ہر جگہ وہ قابض تھے''۔(83)

پھر لکھتے ہیں کہ'' ملک ہیبو بن جٹہ دلزاک عمرخیل........کم وبیش ہزار گھرانوں عمر
خیل کے ساتھ باجوڑ جنڈول میں رہتے تھے'' ۔(84)

پھر لکھتے ہیں کہ'' دلزاک ایک بہت بڑا گروہ ہے ان ممالک میں ہر جگہ وہ آباد ہیں
چنانچہ پشاور، ننگرہار، تیراہ، کالہ پاڑی، پشاور جو کہ اباسین کے کنارے واقع ہے اورچچ ہزارہ
اور کرلغ ہزارہ جو اباسین کے دوسرے کنارے پر واقع ہے۔ میں رہتے ہیں''۔(85)

تواریخ نے ان اور دیگر علاقوں میں دلزاکوں کی سکونت کے اورذکر کئے ہیں۔

بابرنامہ میں بھی ان علاقوں میں جو ننگرہار اور گردونواح کے علاقوں سے اباسین
کے کنارے تک واقع ہیں پشتونوں اور ان کی زندگی کے خدوخال کے بارے میں بہت کچھ

درج ہے اور قارئین اسی کتاب کے ساتویں باب میں پڑھ سکتے ہیں۔

پشتون قدیم ''افغانستان'' میں۔

بعض قدیم آثار میں اس وسیع علاقے میں بھی اسی وقت پشتونوں کی سکونت اور حالات کا ذکر ہوا ہے جس وقت سیفی ہروی تاریخ نامہ میں (تالیف 718ھ-721ھ) اور بعض دیگر قدیم مؤلفین نے 'افغانستان' کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور ہم نے اس کتاب کے آٹھویں باب میں اس پر بحث کی ہے۔

پہلی معلوم تحریری سند جس میں اس وسیع علاقے کے بعض حصوں میں پشتونوں کی سکونت کا ذکر موجود ہے وہ شاہنامہ فردوسی کے ملحقات ہیں جس کی تخلیق کے زمانے کا اندازہ چھٹی ہجری صدی کی حدود میں لگایا جاتا ہے اور اس کے ناظم کا نام معلوم نہیں۔ ناظم نے افغانوں اور ان کے بزرگ کک کھزاد کے بارے میں خوبصورت انداز سے تفصیلی بحث کی ہے لیکن ہم یہاں صرف اپنے مقصد کے اقتباسات لیتے ہیں۔

ناظم کہتے ہیں کہ اسے ایک کسان نے قدیم لوگوں کے حوالے سے ایک کہانی سنائی کہ غزنی سے تین دن کے فاصلے پر ایک اونچا پہاڑ ہے، پہاڑ میں ایک عظیم قلعہ ہے جس کا نام مرباد ہے، کہتے ہیں کہ اس قلعہ میں ایک بہت بہادر اور جنگجو سفید ریش افغان رہتا تھا جس کا نام کک کھزاد اور وہ ہزاروں پیادہ اور سوار جنگی سپاہ کا کمانڈر تھا وہ زابل اور سیستان کے علاقے کے لوگوں سے مال اور ٹیکس اکٹھا کرتا تھا، رستم کے والد اور دادا کو جو سیستان کے بزرگ اور پہلوان تھے کو بار بار زور دکھایا اور ان سے ٹیکس بزور طاقت منوایا۔ زال کک کو ہر سال بیل کی کھال اور دس مشک سونا دیتا بعد میں زال کے بیٹے رستم نے کک کے ساتھ مقابلے شروع کئے اور شکست دی، اسی اثناء میں زال بھی سیستان سے پہنچے اور اس کا لشکر دیگر پشتونوں کے ساتھ لڑا۔ بہت بڑی تعداد میں افغان قتل ہوئے اور ناظم یہ بھی کہتے ہیں کہ کک کے شہنشاہی محل کے ہر کونے میں خزانہ دفن تھا اور زال سے مزین ٹوپیاں، گوہر سے مزین کمر بند یاقوت سے مزین چغے، لال و جواہر سے مزین تاج، چاند کی مانند خوبصورت لونڈیاں، چینی غلام اور

بڑی مقدار میں دینار اور دیگر قیمتی اشیاء ہاتھ آئیں، اس کے بعد زال نے مرباد کا قلعہ تباہ و برباد کیا کک اور اس کے بھتیجے بھزاد دونوں قتل کئے۔ (86)

خود شاہنامے کے ملحقات میں اس واقعے کے آغاز کے چند اشعار درج ذیل ہیں

چنین گفت دهقان دانش پژوه
مراین داستان راز پیشین گروه
که نزدیک زابل به سه روزه را
یکی کوه بد سر کشیده به ما
یکی قلعه بالائی آن کوه بود
که آن حصن از مردم انبوه بود
به دژ دریکی بد کنش جای داشت
که دررزم با اژدها پای داشت
نژادش زا فغان سپاهش هزار
همه ناوک انداز وژو بین گداز (87)

البتہ جس مورخ نے ان علاقوں میں افغانوں کا ذکر کیا ہے وہ سیفی هروی ہے۔ سیفی نے اپنی معتبر کتاب تاریخ نامہ هرات (تالیف 718ھ-721ھ) جو کہ سلطان غیاث الدین کرت کی ہدایت اور مشورے سے لکھی گئی ہے افغانوں اور اس علاقے کے بارے میں جو تاریخ نامہ اور بعض دیگر قدیم آثار میں مثلاً تاریخ فیروز شاہی (1357ء) روضات الجنات (897ھ-899ھ) اور مطلع السعدین (827-875ھ) (افغانستان) کے نام سے موسوم ہوا ہے کے بارے میں بعض قابل اعتبار مطالب درج کئے ہیں۔ سیفی نے اکثر یہ مطالب ان حملوں کے بیان کے ضمن میں درج کئے ہیں جو هرات کے کُرت خاندان کے موسس بزرگ ملک شمس الدین نے 'افغانستان' کے مختلف علاقوں میں کئے ہیں۔ سیفی نے تاریخ نامہ کے مکمل تیرہ ابواب ''افغانستان'' کے واقعات کیلئے وقف کئے ہیں اس کے ساتھ

ساتھ افغانوں کے بارے میں بعض متفرق یاداشتیں بھی نقل کی ہیں۔ جیسا کہ سیفی کا تاریخ نامہ پہلی معلوم کتاب ہے جس میں ''افغانستان'' کے نام ذکر موجود ہے اور 'افغانوں' کے سیاسی اقتصادی اور معاشرتی زندگی سے متعلق کچھ معلومات درج ہوئی ہیں۔ لہٰذا ہم نے اس ضخیم کتاب کے تیرہ ابواب تسلسل مگر مختصر شکل میں نقل کئے ہیں اور اس ضمن میں ایک آدھ دوسری کتب مثلاً زمچی اسفزاری کی روضاۃ الجنات کو بھی کبھی کبھار اشارہ کیا ہے۔ سیفی کہتے ہیں کہ چنگیز خان نے افغانستان اور علاقے پر اپنے حملوں اور فتوحات کے زمانے میں ملک رکن الدین کو غور اور مضافات کیلئے بحثیت ملک تسلیم کیا بعد میں جب ملک رکن الدین غزنی میں چنگیزی حاکموں سے ملنے کیلئے جاتا تو ملک شمس الدین کرت کو بھی اپنے ساتھ لے جاتا۔ اس تسلسل میں ملک شمس الدین کرت کے چنگیزی امیروں سے تعلقات بڑھے اور ملک رکن الدین کی وفات کے بعد 643ھ میں غور کے ملک کی حیثیت سے تسلیم ہوئے۔ مُلکی کا تاج بھی خود چنگیزی حاکم طاہر بہادر نے پہنایا۔ جب ملک شمس الدین کرت 645ھ میں چنگیزیوں کے بڑے ملک منکو خان کے دربار گئے اس کے توابع هرات اور بعض اور علاقے جس میں سیفی دور کا افغانستان بھی شامل تھا اس کے نام کئے۔ ملک شمس الدین چنگیزی منکو خان کے ایک قریبی صلاح کار جاھو کے ساتھ هرات گیا اور کرت گھرانے کی حکمرانی کا سلسلہ شروع کیا، چند سال بعد ''افغانستان'' پر قبضہ کرنے کا بندوبست کیا 650ھ میں ایک وفد جس میں جاھو بھی شامل تھا افغانستان روانہ کیا اور اسے یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ چنگیزی حاکموں اور ملک شمس الدین کے احکامات شہنشاہ کو سنائے، شہنشاہ نے وفد کے سربراہ سے کہا کہ ''ملک شمس الحق والدین کفار کے حکم سے اس ملک میں آیا ہے اور ہم نے ابھی تک چنگیز خانوں کو ٹیکس ادا نہیں کیا ہے'' البتہ ملک شمس الدین جو ایک مسلمان ملک ہے اس کو کچھ ٹیکس دینا منظور کریں گے۔ اس جواب کے بعد تیس (30) غلام جاھو کے حوالے کئے اور شمس الدین کیلئے بھی قیمتی تحائف بھیجے۔

وفد دوبارہ ملک شمس الدین کے پاس آیا، ملک شمس الدین جو اس وقت تکنا باد میں

تھا ملک شہنشاہ کے جواب سننے کے بعد اپنی زیادہ افواج کے ساتھ شہنشاہ پر حملے کے ارادے سے مستونگ روانہ ہوا۔ شہنشاہ کو جب پتہ چلا پانچ ہزار جنگی سپاہیوں کے ساتھ خاسک کی چھاؤنی جو مستونگ سے باہر واقع تھا گیا۔

ملک شمس الدین نے 652ھ میں محرم کے مہینے کے اوائل میں مستونگ شہر کا محاصرہ کیا اور اسے معلوم ہوا کہ شہنشاہ قلعہ خاسک میں موجود ہے تو وہاں گیا اور قلعہ کا محاصرہ کیا قلعہ تین مہینے تک محاصرے میں تھا اور ملک شمس الدین اور شہنشاہ کی افواج میں سات دفعہ جھگڑا ہوا لیکن شمس الدین قلعہ پر قبضہ نہیں کر سکا۔ آخر میں ملک شمس الدین کی افواج نے چاروں طرف سے قلعہ پر حملہ کیا قلعے کا دروازہ جلا دیا قلعے کے اندر گئے اور ملک شہنشاہ کے زیادہ تعداد میں جنگی سپاہ قتل کئے ملک شہنشاہ اور اس کا بیٹا بہرام شاہ بھی اپنے نوے (90) رشتہ داروں سمیت گرفتار اور قتل ہوا، ان کے سر تن سے جدا کئے اور آس پاس کے علاقوں میں دوسروں کی عبرت کے غرض سے بھجوائے۔

ملک شمس الدین 653ھ میں مستونگ سے ''افغانستان'' کے ایک قلعے تیری پر قبضہ کرنے کے ارادے سے روانہ ہوا۔ قلعہ تیری کا کوتوال ایک نامور اور اہل قدرت المار افغان تھا اس نے ان احکامات کو جو جا ہو'افغانستان' لے گئے تھے اور انتہائی سختی سے جواب دیا تھا اور کہا تھا ''اگر میرے تمام عزیز و اقارب بھی ملک شمس الدین کی خدمت اور ٹیکس تسلیم بھی کریں۔ مگر میں موت تک نہیں مانوں گا اور نہ کسی سلطان کے دور میں میرے بزرگوں نے کسی مغل کی اطاعت تسلیم کی تھی۔ اور نہ ہی کفار کو ٹیکس دینے کیلئے رضامندی ظاہر کی تھی کئی دفعہ طاھر بہادر اور سالی نوین تشریف لائے جو اپنی بڑی بڑی افواج سمیت شکستہ دل واپس ہوئے۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ بیس (20) غلام ملک شمس الدین کو بھیجے جائیں اور اگر وہ اس سے زیادہ کا طلب گار ہے تو پھر فیصلہ ڈھال اور تلوار کی نوک پر کیا جائے گا۔ (88)

جب ملک شمس الدین کی لشکر قلعہ تیراہ پہنچا چاروں طرف سے حملے شروع کئے جنگ ساٹھ دن جاری تھی بالآخر ملک شمس الدین قلعہ پر قابض ہوئے المار کو گرفتار کر کے دو

لخت کر دیا المار کے پانچ سو صاحب منصب افراد کی آنکھیں ٗ رم بیخ سے نکال لی گئیں، پانچ سو افراد کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے، پانچ سو افراد کے ناک اور کان کاٹ لئے اس طرح سے انہوں نے افغانستان کے ایک اور بزرگ کا مکمل صفایا کیا۔

شعیب افغان ''افغانستان'' کا ایک بڑا بزرگ تھا جسے ملک شمس الدین تباہ کرنا چاہتا تھا، سیفی کہتے ہیں کہ شعیب ایک نامور بہادر افغان اور قوم سُرنا (89) سے تھا، ڈیڑھ ہزار جنگی سپاہ اس کے پاس تھے جب ملک شمس الدین 651ھ میں افغانستان پر حملے کی غرض سے نکلے، شعیب کشمیر گیا اور جب انہیں معلوم ہوا کہ شمس الدین خاسک اور تیری کے قلعوں پر قابض ہوا ہے تو دوبارہ افغانستان آیا۔

ملک شمس الدین کا ایک بڑا منصب دار محمد نہی جس کے ہمراہ پانچ سو سپاہ تھے گرمسیر میں ٹیکس اکٹھا کرتا تھا، شعیب نے اپنے آپ کو گرمسیر پہنچا دیا اور آدھی رات کو محمد نہی کی سپاہ پر حملہ آور ہوا بہت سے قتل کئے اور کئی گھوڑے ساتھ لے گئے۔

جب ملک شمس الدین کرت کو اس بات کا علم ہوا تو شعیب کو سبق سکھانے کی غرض سے افغانستان روانہ ہوا، شعیب قلعہ کھیرا پناہ لے گئے، سیفی کہتے ہیں یہ قلعہ اتنا سرداور مال و دولت سے بھرپور تھا کہ پوری دنیا میں اس کی مثال نہیں تھی۔اور نہ ہی قارون لعین کے خزانے کے سوا کئیں اور اتنے خزانوں کے ڈھیر تھے''۔(90)

ملک شمس الدین بیس دن کے بعد قلعہ کے قریب پہنچا اور پانچ زبان دراز افغانوں کو قلعہ کے اندر بھیجا تا کہ شعیب سے کہہ دیں کہ اپنی رضامندی سے قلعہ کا دروازہ کھول دیں اور ملک شمس الدین کے سامنے تسلیم ہو جائے شعیب ان پر سخت غصہ ہوا اور پانچوں قلعے سے سر کے بل گرا دیا۔ ملک شمس الدین شعیب کے اس اقدام سے سخت غصہ ہوا اور اپنے تمام فوج سمیت قلعے کی طرف گیا، شمس الدین کی فوج چھیالیس دن قلعہ کے پاس رہا لیکن قلعہ پر قبضہ نہیں کر سکے آخر میں خود قلعے کے لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہوئے اور آپس میں لڑنے لگے۔ شعیب کا مخالف گروہ غالب ہوا اور اس کو ملک شمس الدین کے حوالے کیا شمس الدین نے خود

اپنے ہاتھوں سے شعیب کا سرتن سے جدا کیا اور مخالف گروہ جس نے شعیب حوالے کیا تھا کے بزرگوں کی بہت تعظیم کی۔

شعیب کا قتل اس بات کا موجب بنا کہ 'افغانستان' کے ایک اور بہادر قومی خان نے 654ھ میں شمس الدین سے جھگڑے شروع کئے یہ شعیب کا چچازاد بھائی سندان افغان تھا۔ سیفی کہتے ہیں کی سندان ایک بہادر اور کچھ عرصے سے ملک شمس الدین کے دربار میں ملازم تھے اس کے پاس ہزار کمر بستہ اور بہادر سپاہ تھے، ملک شمس الدین کے دربار کو خیر باد کہہ دیا اور اپنے جنگجوؤں کے ساتھ قلعہ دوکی لے گئے اور وہاں تقریباً ہزار باغی اور ڈاکو افراد بھی ان میں شامل ہوئے۔ جب ملک شمس الدین نے سندان کا حال دیکھا تو افغانستان کے ایک اور نامور ملک تاج الدین کو سندان کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا۔ ملک تاج الدین جو شہنشاہ کے داماد میرانشاہ کا بڑا بھائی تھا ملک شمس الدین کے ساتھ اس وقت تکناباد میں ساتھ ہوا جب ملک شمس الدین ملک شہنشاہ کی سرکوبی اور مستونگ کی حکومت پر قبضے کی غرض سے جارہا تھا۔

تاج الدین 654ھ ربیع الاول کے مہینے میں اپنے آپ کو دو ہزار سواروں اور سالاروں کے ساتھ قلعہ دوکی پہنچا دیا جنگ کا ڈنگا بجا کر اپنے لشکر کو قلعے کے اردگرد تعینات کیا سندان بھی سات سو 700 افراد کے ساتھ مقابلے پر اتر آیا اور جنگ شروع ہوئی۔ جنگ اور خون ریزی اٹھارہ دن جاری تھی انیسویں دن ملک شمس الدین بھی اپنے عظیم لشکر کے ساتھ پہنچ گیا شمس الدین کے لشکر اور سندان کے سپاہیوں کے درمیان پانچ دن قلعے کے گیٹ کے سامنے جنگ جاری تھی لیکن اگلی رات شمس الدین کے سپاہیوں نے قلعہ دوکی جلا دیا اور قلعہ کے ایک برج پر قابض ہوئے سندان خود بھی دو سو سپاہیوں کے ساتھ قلعے سے باہر آیا اور جنگ شروع ہوئی۔ شمس الدین کی کئی عسکری کمانڈر ہلاک ہوئے۔ آخر میں سندان خود بھی اپنے سپاہیوں کے ساتھ ہلاک ہوئے اور قلعہ دوکی پر شمس الدین نے قبضہ کرلیا۔

سیفی لکھتے ہیں کہ دوکی علاقے کے کئی گلہ بان اور بزرگ ملک شمس الدین کے پاس گئے اور گزارش کی کہ قلعہ دوکی سے ستر فرسخ جنوب کی طرف افغانی ڈاکوؤں کا ایک گروہ

رہتا ہے جو گزشتہ تیس 30 سالوں سے لوٹ مار میں مصروف ہے۔ انہوں نے شمس الدین سے گزارش کی کہ یہ افغان جو کنکان اور نھران کے نام سے موسوم ہیں کو ختم کیا جائے۔ ملک شمس الدین نے دو ہزار سوار بعض نامور سپہ سالاروں کی سرکردگی میں کنکان اور نھران کی سرکوبی کیلیۓ روانہ کئے۔ چند دن کی جنگ کے بعد دونوں اطراف سے پانچ سو افراد مارے گئے آخر میں ملک شمس الدین کے سپہ سالاروں کی تمام فوج ایک مرتبہ پھر کنکان اور نھران پر حملہ آور ہوئے۔ سو 100 افراد قتل کئے اور باقی اپنے مال ومتاع سمیت شمس الدین کے پاس لے آئے۔ شمس الدین نے ستر 70 افراد کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے اور باقی 'افغانستان' کے ایک خان ملک جاول جو کہ شمس الدین کا ساتھی تھا کو بخش دیئے۔

کنکان اور نھران کی سرکوبی کے بعد 'افغانستان' کے دو بزرگوں ملک تاج الدین اور ملک جاول نے مشترکہ طور پر ملک شمس الدین کو 'افغانستان' کے ایک اور قلعہ کو تباہ کرنے کی دعوت دی۔ یہ قلعہ ساجی کے نام سے موسوم تھا اور سیفی کہتے ہیں کہ اس قلعے میں ''ہزار ایسے بہادر اور شجاع افغانی سپاہ زندگی گزار رہے تھے جو کہ یزد کے زمانے سے تا حال انہوں نے کسی بادشاہ ملک اور حاکم کے سامنے اطاعت میں سر تسلیم خم نہیں کیا تھا اور ان کی بہادری اور شجاعت کا تصور بعید از خیال تھا''۔۔۔(91)

ملک شمس الدین نے یہ بات تسلیم کی کہ قلعہ ساجی پر حملہ کر دیں لیکن اس مہم کو سر کرنے کیلیۓ انہوں نے چنگیزی سالار قنقور دائی نوین سے بھی دو ہزار جنگی سپاہ طلب کئے۔ جیسے ہی یہ سپاہ پہنچی وہ قلعہ ساجی پر حملہ آور ہوا۔ جنگ شروع ہوئی سات دن سخت جنگ جاری تھی اور دونوں اطراف سے اتنے آدمی قتل ہوئے کہ بقول سیفی خون کا سیلاب جاری ہوا آخر میں ملک شمس الدین قلعہ کے دروازے پر پہنچے اور چونکہ دروازہ لوہے سے بنا تھا لہٰذا وہ آسانی سے نہیں توڑ سکے۔ دو دن مزید وہاں ٹھہرے رہے اور جنگ میں دونوں اطراف سے مزید ہزار افراد قتل ہوئے تیسرے دن قلعہ کے لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہوئے اور آپس میں برسر پیکار ہوئے غالب گروہ نے قلعہ کا دروازہ دشمنوں کیلیۓ کھول دیا۔ ملک شمس الدین نے قلعہ

کے بعض لوگ قتل اور بعض قیدی بنائے قلعہ ویران کر کے بڑی مقدار میں مال غنیمت ساتھ لے گیا۔

657ھ میں پھر ملک شمس الدین ''افغانستان'' کی طرف روانہ ہوا اس بار اس کا ہدف ''افغانستان'' کے ایک اور بڑے قلعے، قلعہ بکر پر قبضہ کرنا تھا، ملک شمس الدین نے بڑی جلدی میں خود کو قلعہ کے قریب پہنچایا اور قلعے سے آٹھ فرسخ دور اپنی افواج سمیت ٹھہرا وہاں سے اپنے پانچ نامور سالار اور نامور اشخاص قلعے کو بھجوائے اور قلعے کے بزرگوں سے کہا کہ وہ اپنی مرضی سے ملک کے استقبال کیلئے نکلیں، لیکن قلعے کے والی نے ملک شمس الدین کے قاصدوں کو سخت جواب دیا اور کہا کہ اگر ملک شمس الدین اپنی بقا چاہتا ہے تو اُسے قلعے کو ٹیڑھی آنکھ سے نہیں دیکھنا چاہیئے۔

جب ملک شمس الدین تک والی قلعہ بکر کا جواب پہنچا تو انہوں نے فوراً اپنی افواج قلعہ کی طرف روانہ کیں اور آس پاس پڑاؤ ڈالا۔ جنگ شروع ہوئی اور دونوں اطراف سے بہت زیادہ لوگ قتل ہوئے جن میں شمس الدین کے چند بڑے کمانڈر بھی شامل تھے۔ جنگ بارہ دن جاری رہی تیرھویں دن قلعے کے بعض بزرگ شمس الدین کے پاس گئے اور گزارش کی کہ ان کا ٹیکس تسلیم کیا جائے اور قلعے کا محاصرہ ختم کیا جائے شمس الدین نے ان کی بات مال لی اور جنگ ختم ہوئی۔

والی قلعہ نے دس ہزار دینار، دس من اناج، چند عربی نسل کے گھوڑے، پچاس غلام اور بہت سے تحائف شمس الدین کو دیئے۔ ملک شمس الدین نے بھی قلعہ بکر کے بزرگوں کو تحائف دیئے اور چار دن کے بعد واپس ہوا زمجی اسفزاری کہتے ہیں کہ شمس الدین یہاں سے زمین داور گیا اور وہاں ملک شہنشاہ کے داماد میرانشاہ جو مستونگ اور خاسک کی چھاؤنی پر حملوں کے وقت بھاگ گیا تھا کو گرفتار کیا اور قتل کیا۔ لیکن سیفی کا میرانشاہ کے بارے میں خیال ہے کہ وہ خاسک سے سیدھا سیستان گیا اور وہاں شمس الدین کے ایک نامور سالار محمد نہی نے ہلاک کیا۔

سیفی کہتے ہیں کہ ایک دن میران شاہ اور ان کے قریبی رشتہ داروں اور دوستوں نے ایک باغ میں میلہ بنایا تھا اور سرخ شراب سے بھرے پیالوں کے سرور میں مست تھے کہ محمد نہی پانچ سو افراد سے ان پر حملہ آور ہوا۔ خونریز جنگ کا آغاز ہوا، خود میران شاہ ہلاک ہوئے اور اس کے بیٹے سالار کو دشمن نے گرفتار کر کے قتل کیا۔

میران شاہ کے بڑے بھائی ملک تاج الدین جو ملک شمس الدین کے ساتھ اس وقت ساتھ ہوا تھا جب شمس الدین پہلی دفعہ ''افغانستان'' پر حملے کے ارادے سے گیا تھا۔ شمس الدین سے الگ ہوئے مستونگ میں شمس الدین کا حاکم غوری سپہ سالار قتل کر کے خود مستونگ میں بادشاہت کا اعلان کیا۔ سیفی کہتے ہیں کہ جب تاج الدین حکمرانی تک پہنچے تو انہوں نے فوراً افغانی سپاہیوں کا ایک لشکر تیار کیا جن کی کل تعداد دس ہزار تھی۔ سیفی یہاں اس جنگ کا ذکر بھی کرتے ہیں جو بظاہر ترین قوم نے ملک شمس الدین کے ایک سالار سے لڑی تھی اور ملک تاج الدین بھی شامل ہوئے تھے۔

جب ملک شمس الدین کا ایک عظیم سالار ایک خاص ماموریت کے ضمن میں مستونگ کی حدود میں بہنی کا و نامی جگہ کے قریب پہنچے تو ہرمز تری (ترین) (92) کی قوم سے ایسے وقت میں جنگ شروع کی جب ہرمز خود ٹنیٹ میں اپنی ڈومنی کے ساتھ شراب سے بھرا پیالہ پی رہا تھا اور جب انہوں نے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنی بدحواس اور مست ٹنیٹ سے نکل کر قوم کو حکم دیا، ہرمز کے حکم کے ساتھ ہی ''دو ہزار افغانی سپاہ جو کہ چیتوں کی طرح حملے اور قتل کرنے کیلئے تیار بیٹھے تھے نکلے۔ ہرمز ایک فولادی پہاڑ کی مانند اپنے زین شدہ گھوڑے پر سوار ہوئے ہندوستانی تلوار نکال لی اور آسمانی گرجک کی مانند'' شمس الدین کی فوج پر حملہ آور ہوا۔ (93) البتہ زیادہ طاقت کا مظاہرہ نہیں کر سکا اور پیچھے ہٹا۔ اسی اثناء میں مستونگ کا نیا حکمران ملک تاج الدین جو بنی کا دُمغل حکمران نکودر کے استقبال کیلئے گیا تھا۔ اور جب انہیں ہرمز کا حال معلوم ہوا تو ہرمز کی مدد کیلئے نکلا تمام دن جنگ جاری تھی لیکن رات ہوتے ہی جنگ بند ہوئی اور ہر ایک نے اپنی راہ لی۔

666ھ میں ملک شمس الدین نے اہل تیراہ پر حملہ کیا۔سیفی کہتے ہیں کہ اہل تیراہ ''اونچے پہاڑوں اور مشکل جگہوں میں رہتے تھے اور نہ ہی کبھی کسی بادشاہ کو ٹیکس اور خراج ادا کیا تھا اور نہ ہی کسی بادشاہ کی اطاعت قبول کی تھی''۔(94) ملک شمس الدین نے ٹھیک ڈھائی مہینے بعد ان سے جنگ کی اور بالا آخر اہل تیراہ نے اپنے قلعے ان کے کوتوالوں کے حوالے کئے۔شمس الدین نے ان کے جانور اپنے سپاہیوں میں تقسیم کئے اور خود بڑی مقدار میں مال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ ہرات گیا۔

ملک شمس الدین 676ھ میں تبریز میں فوت ہوئے اور ان کی جگہ شمس الدین جونیئر تخت نشین ہوئے،غزنی اور ہرات کے تمام والی اس کے پاس گئے اور اس کی اطاعت قبول کی لیکن حاکم کندھار نے ایسا نہیں کیا لہٰذا شمس الدین جونیئر نے اسے سخت جھگڑوں کا آغاز کیا۔

یہ تھے سیفی کے تاریخ نامہ کے وہ بنیادی نکات جو انہوں نے اپنی کتاب کے تیرہ ابواب میں ''افغانستان ہی کے حالات کے بارے میں درج کئے تھے اور ہم نے یہاں قارئین کی سہولت کیلئے مختصراً مگر ایسے درج کئے کہ مفہوم پر کوئی اثر نہ پڑے ان نکات میں اس دور کے پشتون معاشرے کے سیاسی اور معاشرتی زندگی کے بارے میں بعض اہم نکات موجود ہیں اور ہم نے چھٹے باب میں اس پر الگ بحث کی ہے یہاں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تیری بنی کاوٗ،شال،مستونگ،دوکی،کھیر،ساجی اور بکر اور ''افغانستان'' کے دیگر حصوں میں پشتون بزرگوں کے ساتھ ملک شمس الدین اور اس کے فوجی کمانڈروں اور معاونین کے جنگوں اور ان سے مربوط حوادث کی تشریحات جن کے بنیادی نکات کا ذکر ہوا ہے ساتویں ہجری صدی میں ایک وسیع علاقے میں پشتونوں کے آباد ہونے کی عکاسی کرتے ہیں اور یہ بھی بتاتے ہیں کہ چھٹے اور ساتویں صدی میں ایک خوبصورت وسیع علاقہ ''افغانستان'' کے نام سے موسوم تھا۔

تاریخ نامہ میں دیگر گئی متفرق یاداشتیں بھی سیفی دور کے ''افغانستان'' اور ملحقہ علاقوں میں پشتونوں کے بارے میں موجود ہیں۔

جب ملک شمس الدین کُرت سینئر 648ھ میں ہرات سے مستونگ پر قبضہ کرنے کے ارادے سے روانہ ہوتے ہیں راستے میں سیستان، فراہ، اسفزار اور غور سے دیگر لوگوں کے ساتھ ساتھ پشتون جنگی سپاہ بھی اکٹھا کرتے ہیں اور جب تکنا باد پہنچتے ہیں وہاں اس کے لشکر میں پشتون جنگی سپاہیوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ملک شمس الدین ان کیلئے ایک خاص کمانڈر کا انتخاب کرتا ہے اور وہ ''افغانستان'' کا ایک بڑا بزرگ تاج الدین ہے جو یہاں تکنا باد میں ہی شمس الدین کے ہمراہ ہوا۔(95)

جب چنگیزی شہزادہ یسور تکنا باد سے سیستان پر حملے کے ارادے سے روانہ ہوتا ہے وہ بھی اس علاقے کی بڑی تعداد میں جنگی سپاہی اکٹھا کرتا ہے اور تاریخ نامہ کے متن سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں پشتون بھی شامل تھے اس لئے جب یسور اس حملے سے واپس ہوتا ہے اور چند دن کیلئے خوشیوں کے جشن مناتے ہیں پشتون بزرگوں اور بڑوں کو خاص توجہ دیتے ہیں اور ان کی بڑی تعظیم کرتے ہیں۔

کندھار کے علاقہ تیری جو ابھی تک اسی نام سے موسوم ہے اس علاقے کے ایک بڑے بزرگ المار افغان اور ملک شمس الدین کرت کی افواج کے درمیان جھگڑے اور دیگر تفصیلات جن کا خلاصہ اوپر پیش ہوا اسی بات کی عکاسی کرتے ہیں کندھار زمانہ قدیم سے پشتونوں کا مسکن ہے۔ سیفی کے تاریخ نامہ کے علاوہ کئی دوسری کتب بھی اس بات کی گواہ ہیں کہ صوبہ کندھار کی حدود میں زمانہ قدیم سے پشتون آباد ہیں۔

روضات الجنات میں (تالیف 897ھ-899ھ) کندھار کو پشتونوں کا مسکن کہا گیا ہے اور اس میں درج ہے کہ اس صوبے کے نواح میں افغانستان واقع ہے(96) پھر لکھتے ہیں کہ ''کندھار صوبے کے باسی افغان ہیں اور یہاں سے غلام ہرات بھیجے جاتے ہیں''(97)۔

عبدالرزاق سمرقندی بھی مطلع السعدین میں (تالیف 872-875ھ) کندھار کے علاقے میں پشتون آباد گردانتا ہے اور لکھتے ہیں ''خبر پہنچی کہ کندھاری ملک سیفل کا بیٹا اور

ملک محمد ....ایک دوسرے سے جھگڑتے ہیں ......اور کئی افغان ڈاکوؤں نے گرمسیر اور کندھار کے آس پاس حتیٰ کہ دریائے سندھ کے کنارے تک لوگوں کو تنگ کیا ہے۔(98)

سمرقندی ایک اور جگہ آل مظفر کے حکمران کے دور کے واقعات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ شاہ شجاع کرمان کی مہمات کے بعد گرمسیر کے افغانوں کی طرف متوجہ ہوا'' جیسا کہ صوبہ گرمسیر بہت آباد تھا بادشاہ نے حکم دیا کہ افغانوں کو منظم ٹیکس ادا کرنا چاہیئے اگر ایسا نہیں کرتے تو ہر سال ہزار سپاہ ان پر حملہ آور ہوا کریں گے۔ افغانوں نے کچھ تخفیف کا مطالبہ کیا لیکن یہ بات نہیں مانی گئی اور یہ فیصلہ ہوا کہ ہر سال ان کو بطور خراج ٹیکس ادا کرنا چاہیئے۔ (99)

آنے والے باب میں بحث ہوگی کہ تذکرۃ الابرار ولاشرار ریاض المحبت اور خلاصۃ الانساب میں بھی کندھار زمانہ قدیم سے پشتونوں کا مسکن گردانا گیا ہے۔

تواریخ حافظ رحمت خانی بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ'' ملک تاج الدین ایک عظیم جوانمرد اور ایک بارعب شخص تھا جب خشی اقوام یعنی یوسف زئی، گگیانی اور ترکانی کندھار کے علاقوں گاڑے، نشکی، ڈوک اور ڈاگ کے علاقوں میں آباد تھے تمام اس کے زیر کنٹرول اور تابع تھے''۔(100) تواریخ میں اور بھی ایسے نکات درج ہیں کہ کندھار کو زمانہ قدیم سے پشتونوں کا مسکن گردانتا ہے۔

بعض مورخین نے افغانستان کے شمالی علاقوں خاص کر بلخ کے آس پاس بعض واقعات کے ضمن میں پشتونوں کا ذکر کیا ہے۔

عبدالجبار عتبی (وفات 427ھ) کہتے ہیں کہ سلطان محمود نے ایلک خان کی فوج سے مقابلے کی خاطر دوسروں کے ساتھ پشتون سپاہ بھی اکٹھے کئے وہ لکھتے ہیں۔

'' ایلک خان پچاس ہزار جنگی سپاہیوں کے ساتھ جیحون (آمو) سے گزرے اور اس کی آمد کی خبر طخیرستان (تخارستان) میں سلطان (محمود) تک پہنچی وہ فوراً بیدار ہوا اور بلخ روانہ ہو گیا تاکہ ان کی کمک اور رسد کے راستے سے تعلق ختم کردے اور جنگ کی تیاری کی اور

ترک اور خلج اور ھند اور افغانی اقوام اور غزلہ طائفے سے کافی لشکر جمع کیا اور بلخ کے چار فرسنگی میں مرخیال کی طرف............ پیدل روانہ ہوا۔(101)

یہ واقعہ ابن اثیر نے بھی کامل میں درج کیا ہے(102) اور بعد میں رشید الدین نے جامع التواریخ میں اسی طرح درج کیا ہے۔

''سلطان محمود تخارسے'' فوراً روانہ ہوا اور بلخ گیا..........اور ترک، خلج، ھندو اور افغانی اقوام اور غور کے سپاہیوں کو کافی مقدار میں جمع کیا'' اور جنگ کیلئے نکلے۔(103)

جوینی بھی جب 658ھ میں مروے کے ایک واقعے پر بحث کرتے ہیں وہاں ان افغانوں کا ذکر کرتے ہیں جو مغل جرنیلوں نے ظاہراً آس پاس کے علاقوں سے اکٹھے ہیں جوینی لکھتے ہیں۔

''.............تالقان کی حدود سے قراچہ نوین ان کا مسکن ہوا اور ایک ہزار سواروں اور پیدل سپاہیوں کے ساتھ اچانک مروہ آئے اور پھر زخموں پر نمک پاشی کی اور جو بھی ہاتھ آیا قتل کیا۔ اس کے بعد قونقونویں ایک لاکھ افراد کے ساتھ پہنچا اور قتل وغارت گری شروع کی اور غزنوی خلجی اور افغان جو لشکر کے آگے آگے تھے ایسے کرتوت شروع کیئے جن کی مثال نہیں ملتی تھی۔(104) بعض کو آگ لگا دیتے اور بعض کو اور طریقوں سے قتل کرتے۔۔۔۔۔۔(105)

جو یاداشتیں یہاں تک ہوئی ہیں اکثر دریائے سندھ کی مغربی سرحدات کے پشتونوں کے بارے میں تھے لیکن قدیم لکھے گئے اسناد میں زمانہ قدیم سے ان پشتونوں کا ذکر بھی ہے جو پشتونخوا سے پرے اباسین کے دوسرے کنارے پر آباد ہے۔

پشتون سندھ میں

محمد قاسم فرشتہ کہتے ہیں کہ شیخ حمید لودھی غزنوی سلطنت کی تاسیس سے بہت پہلے والی ملتان تھا اور ان علاقوں کے افغانوں کو فوجی چھاؤنیوں میں اس لئے رکھے تھے تاکہ لمغان اور ملتان پر حملوں کا راستہ روکا جاسکے جس طرح بھی ممکن ہو شیخ حمید کے علاقوں پر حملوں سے

گریز کیا جائے۔(106)

ایک اور معتبر اور قدیم اثر جو اباسین کے مغربی علاقوں خاص کر ملتان اور وہاں کے مضافات میں چودھویں عیسوی صدی کے اول نصف میں پشتونوں کا تذکرہ کرتا ہے۔اور حالات پر کچھ روشنی ڈالتا ہے وہ ابن بطوطہ کا سفرنامہ ہے، بطوطہ کہتے ہیں۔

''شاہ افغان سندھ کے علاقے ملتان میں باغی ہوئے اور اس شہر کے امیر جس کا نام بہزاد تھا کو قتل کیا جیسا کہ اس (محمد شاہ تغلق) نے شاہ افغان کے ساتھ لڑنے کیلئے افواج کی تیاری کا حکم دیا اور جیسا ہی (شاہ افغان) کو معلوم ہوا کہ وہ مزاحمت نہیں کر سکتا ہے۔اور اپنے اقوام کے پاس جو اونچے پہاڑوں میں رہتے ہیں کے پاس گیا سلطان کو اس بات پر غصہ ہوا اور حکم دیا کہ اس کے عملداری میں شامل تمام افغان گرفتار کئے جانے چاہیئے۔یہ حکم قاضی جلال کی مخالفت کا سبب بنا قاضی جلال افغانوں کے ساتھ کنبائی (کمبی) اور بلورزئی شہر کے قریب رہتے تھے سلطان نے جب افغانوں کو قلع قمع کرنے کا حکم صادر کیا ملک مقبل کو بھی ایک مکتوب بھیجا مکتوب میں ملک مقبل کو جو جزرات (گجرات) اور نھر والہ کے علاقوں میں وزیر تھا ہدایت دی گئی کہ قاضی جلال اور اس کے حمائیتیوں کو کسی بہانے گرفتار کیا جائے قاضی جلال بادشاہی کے دعویدار ہوئے اور سلطان کے لشکر کو شکست دی دولت آباد کے افغانوں نے بھی بغاوت کی سلطان نے اپنے نائب نظام الدین کو حکم دیا کہ ملک مل کے بیٹے اور دولت آباد کے افغان گرفتار کئے جائیں لیکن کچھ اور ہوا افغانوں نے نظام الدین اور اس کے سپاہیوں پر حملہ کیا بہت سے ہلاک کئے اور بذات خود نظام الدین کو گرفتار کیا اور پھر شہر میں داخل ہوئے اور خزانوں پر قبضہ کیا اور ملک مل کے بیٹے کو حاکم کی حیثیت سے منتخب کیا جب کنبائی اور دولت آباد کے واقعات کا علم سلطان کو ہوا اپنے داماد اعظم ملک بایزید کو چار ہزار جنگی سپاہیوں کے ساتھ جنگ کی خاطر روانہ کیا (لیکن) قاضی جلال کے لشکر کو شکست ہوئی سلطان (محمد شاہ تغلق) خود لشکر سمیت پہنچا قاضی جلال زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکے اور اپنے کئی سپاہیوں سمیت بھاگ گئے (اور) دولت آباد میں ملک کے بیٹے ناصرالدین کے ساتھ اکٹھے ہوئے سلطان

خود لشکر سمیت ان کے پیچھے گئے (باغی) پیچھے لئے ملک مل کے بیٹے اور قاضی جلال ....
قلعہ دویقیر پناہ لے گئے ....(107)

ابن بطوطہ بعد میں دولت آباد جاتا ہے وہاں شہر کے مختلف حصوں کا تعارف کرنے کے ساتھ ساتھ قلعہ دویقیر پر بھی بحث کرتے ہیں اور پھر ملک مل کے بیٹے اور قاضی جلال کا ذکر کرتے ہیں اور پھر ایک حکایت کے ضمن میں خود ملک مل اور اس کے ساتھ قلعہ دویقیر میں قید ایک پشتون کا نام لیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ''ملک خطاب افغانی نے مجھے ایک کہانی سنائی کہ ایک وقت اس قلعہ (یعنی قلعہ دویقیر) کے ایک کنویں میں قید تھا جو کہ چوہوں کے کنویں کے نام سے موسوم تھا، وہ کہتا تھا کہ ہر رات چوہے کاٹنے کی خاطر آتے تھے لیکن میں ان کے ساتھ لڑتا تھا (آخر میں سلطان) نے کنویں سے مجھے نکال لیا اس کی وجہ یہ تھی کہ ملک مل (افغان) میرے ساتھ والے کنویں میں قید تھے اس کی انگلیاں اور آنکھیں چوہوں نے کاٹے اور وہ ہلاک ہوئے۔(108)

ضیاء الدین برنی بھی تاریخ فیروز شاہی میں (تالیف 1357ء) سلطان محمد تغلق کے واقعات کے ضمن میں ملتان، دولت آباد اور گجرات کے پشتونوں کا ذکر کرتے ہیں یہ یاداشتیں تاریخ فیروز شاہی کے صفحات 182 تا183 اور بعض دیگر صفحات پر درج ہیں۔

یہ تھے وہ اسناد اور مدارک جس میں خود پشتونخوا اور پشتونخوا کے ساتھ ملحقہ علاقوں میں پشتونوں کی موجودیت اور سکونت کا ذکر ہے اور یہاں مکمل یا اختصار کے ساتھ درج کئے ہیں مجھے یقین ہے کہ لکھے ہوئے اسناد میں ان لمبی مدتوں میں پشتونوں کے بارے میں اور بھی یاداشتیں درج ہوئے ہیں لیکن ہمیں قدیم متون میں چھان بین کے ضمن میں بس اتنا ہی ملا ہے اور وہ قارئین کے نظر کر دیئے ہیں ''جو موجود وہ حاضر'' لیکن یہ کہا جائے کہ پشتونخوا میں پشتونوں کی سکونت کے ساتھ ساتھ ایک اور مسئلہ بھی اسی طرح قابل بحث ہے وہ قدیم متون میں ذکر شدہ پشتونوں کا ایک علاقے سے دوسرے علاقے کو ہجرت کا مسئلہ ہے اور اس کتاب کا آئندہ باب اس مسئلے کیلئے مختص کیا گیا ہے۔

ماخذات و حوالہ جات

1۔ البتہ پشتون زمانہ قدیم سے ہندوستان بھی بھیجے گئے ہیں اور وہاں چھوٹی بڑی حکومتیں بھی بنائی ہیں اور ایران میں بھی کچھ عرصے کیلئے حکمران رہے ہیں، لیکن ہم یہاں ان بیانات کا ذکر کرتے ہیں جو کہ خود پشتونوں کے ملک اور اس کے ساتھ ملحقہ اور متصل علاقوں میں پشتونوں کے بارے میں ہیں۔ لہٰذا اس وجہ سے ہندوستان اور ایران تک نہیں جاتے۔

2۔ سول کے نام اور وقوع سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ موجود شمل کے علاقے کی ایک آبادی ہوگی شمل پکتیا کا طویل درہ ہے جو چٹی کنڈ اور مکی کے درمیان واقع ہے اور اہل درہ جدران ہیں اس درے سے گزرنے والے دریا کا نام بھی شمل ہے۔

3۔ حدود العالم من المشرق الی المغرب صفحہ 372۔

4۔ عتبی تاریخ یمینی صفحہ 389۔

5۔ رشید الدین۔ فضل اللہ۔ جامع التواریخ جلد 2، جز 4 صفحہ 209 تاریخ گزیدہ از حمد اللہ صفحہ 392، ابن اثیر۔ کامل جلد 16 صفحہ 306۔

6۔ ابن اثیر۔ کامل جلد 16، صفحہ 29۔

7۔ بلخی۔ عنصری، دیوان، صفحہ 308۔

8۔ طوسی، اسدی جنہوں نے یہ شعر لفظ کھبر کے بارے میں بطور گواہ لیا ہے اور کہتے ہیں کہ کھبر ہندوستان میں ایک صوبے کا نام ہے۔ لغت فرس۔ صفحہ 161 برھان قاطع بھی کھبر ہندوستان کا ایک صوبہ سمجھتا ہے، برھان قاطع جلد 2، صفحہ 1745۔

9۔ سلمان، مسعود سعد دیوان صفحہ 418۔

10۔ ایضاً صفحہ 175۔

11۔ ایضاً مقدمہ صفحہ 2۔

12۔ یہ لفظ کامل میں اوغنان لکھا ہے لیکن یقیناً یہ کتابت کی غلطی ہے۔

13۔ ابن اثیر کامل جلد 18، صفحہ 179۔

14۔ درہ کڑمان جو کہ شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف واقع ہے تقریباً 9 کروہ طویل ہے۔شمال میں سپین غر تک پہنچتا ہے، جو دریا اس درے سے نکلتا ہے اور دریا زیران سے نکلنے والے دریا کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے اور پھر داؤدزئی خیل (یہ جاجیو قبیلے کی ایک شاخ ہے) کے گاؤں سے تین کروہ دور دریا کرم میں شامل ہو جاتا ہے (افغانستان اور بلوچستان کے ایک حصے کے بارے میں راورٹی کی یادداشتیں۔صفحہ 82)۔

15۔ ابن اثیر کامل جلد 2، صفحہ 216۔

16۔ فرشتہ محمد قاسم۔تاریخ فرشتہ، صفحہ 87۔

17۔ ایضاً۔صفحہ، 86۔

18۔ یہ غالب گومان ہے کہ یہ وہ درہ ہے جو زیران کے نام سے یاد ہوا ہے۔یہ درہ سپین غر سے جنوب مغرب کی طرف واقع ہے اور لمبائی پانچ کروہ ہے۔ایک چھوٹا دریا جو کہ سپین غر سے نکلتا ہے یہاں سے نکلتا ہوا دریائے کڑمان میں شامل ہو جاتا ہے۔اس درے کے باسی توری ہیں لیکن کچھ اوان کار بھی ہیں (راورٹی۔مزکورہ کتاب صفحہ 28)۔

19۔ فرشتہ۔تاریخ فرشتہ صفحہ 105۔

20۔ اس جگے کا بابرنامے میں بھی بار بار ذکر آیا ہے اور کرماش کی شکل میں لکھا گیا ہے۔

21۔ ابن بطوطہ سفرنامہ جلد 1 صفحہ 446-447۔

22۔ جو بیانات یہاں درج ہوئے ہیں وہ ظفرنامہ کی جلد دوئم کے صفحہ 34 سے لے کر 41 تک اور اسی جلد کے صفحہ 134 سے 137 تک ہیں۔

23۔ میں اس نام سے پشتونوں کے کسی خیل کا قبیلے کا پتہ نہیں لگا سکا۔

24۔ ظفرنامہ میں یہ نام اریاب درج ہے، اور جس کا مطلب یقیناً موجودہ جاجیو کا درہ اریاب ہے اور راورٹی بھی اریاب لکھتے ہیں اور اسی طرح متعارف کرواتے ہیں۔

درہ اریاب پیواڑ کے مغرب میں شمالاً جنوباً واقع ہے اور جس کی لمبائی بیس کروہ ہے (کروہ کی مختلف لغات میں مختلف تفصیلات درج ہیں بعض دو میل، بعض دو کلومیٹر اور بعض

4000 گز کے برابر لکھتے ہیں۔مترجم)

جس کی میدانی زمین کم لیکن زرخیز درہ ہے اور جس کے باسی جاجی (پشتونوں کا ایک قبیلہ مترجم) ہیں (راورٹی مذکورہ بالا کتاب، صفحہ 81)۔

25۔ شلوزان یا شنوازن پیواڑ کے مشرق میں ایک بڑا درہ ہے جو شمالاً جنوباً واقع اور ساتھ کروہ طویل ہے، یہ درہ شمال میں سپین غر تک جا پہنچتا ہے۔اس سے ایک چھوٹا دریا بھی نکلتا ہے اور دریائے پیواڑ میں شامل ہو جاتا ہے۔اس درے کے باسی توری ہیں البتہ کچھ آوان کار جٹ بھی شامل ہیں جن کا اصل قبیلہ پنجاب میں آباد ہے (راورٹی مذکورہ بالا کتاب، صفحہ 81)۔

26۔ یہ جگہ جو ظفر نامہ میں بانو درج ہے موجودہ بنوں ہے۔

27۔ البیرونی کے ایک رسالہ الجواہر جو کہ تقریباً 1040 عیسوی میں لکھی گئی ہے میں 'تغز' کے نام سے ایک جگہ کا ذکر ہے البیرونی لکھتے ہیں کہ ایک قسم کا سونا افغانوں کے 'تغز' میں پیدا ہوتا ہے (البیرونی الجواہر صفحہ 237)۔ممکن ہے کہ بیرونی کا 'تغز' ظفر نامہ اور بابر نامہ کا نغر علاقہ ہو ممکن ہے کہ کاتب نے الجواہر میں 'نغز' کو سہواً دو نقطے دیکر 'تغز' بنایا ہو۔اگر اسی طرح ہو تو 'نغز' ایک قدیم نام ہے۔

28۔ یہ لفظ ظفر نامہ میں پرنیان درج ہے جس کا اصل یقیناً پڑیان ہے۔ پڑیان چمکنی قبیلے کی ایک شاخ ہے اور ابھی تک اسی علاقے کے آس پاس آباد ہے جس طرح فارسی میں 'ڑ' نہیں ہے اور مؤلف نے 'ڑ' کی بجائے 'ر' اور 'ن' کا استعمال کیا ہے۔ پشاور میں ابھی تک بعض اوقات 'ن' کو 'ڑ' کی شکل میں لکھا جاتا ہے۔

29۔ یہ لفظ یقیناً کرلانی ہے لیکن ظفر نامہ میں کلانی اور بابر نامہ میں کرانی درج ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ڑ نہ ظفر نامہ کی زبان میں ہے اور نہ ہی بابر نامے کی زبان میں ہے لہٰذا ''ڑ'' کی بجائے ''ر'' اور ''ل'' کے قریب ترین آواز کو استعمال میں لایا گیا ہے۔

30۔ معظم شاہ تواریخ حافظ رحمت خانی۔ صفحہ 8۔

31۔ تاریخ گردیزی کا شارح۔ عبدالحئی حبیبی۔ یہ جگہ پر دکار کی موجودہ ھو پیان سمجھتے ہیں تاریخ گردیزی۔ صفحہ 438،

32۔ گردیزی عبدالحئی بن ضحاک تاریخ گردیزی صفحہ 438۔

33۔ معظم شاہ تواریخ حافظ رحمت خانی صفحہ 5۔

34۔ ایضاً صفحہ 35۔

35۔ ایضاً صفحہ 42۔

36۔ ڈارون برناڈ تاریخ افغان۔ یادداشتیں صفحہ 76۔

37۔ نسوی شہاب الدین محمد، سیرت جلال الدین منکبرنی صفحہ 91۔

38۔ سمرقندی عبدالرزاق مطلع السعدین صفحہ 23۔

39۔ بیہقی خواجہ ابوالفضل تاریخ بیہقی صفحہ 256۔

40۔ ایضاً صفحہ 26۔

41۔ ایضاً صفحہ 271۔

42۔ ایضاً صفحہ 425۔

43۔ ایضاً صفحہ 499۔

44۔ فخر مدبر، مبارک شاہ، آداب الحرب صفحہ 315-316۔

45۔ هروی نعمت اللہ، مخزن افغانی جلد 1 صفحہ 116-119۔

46۔ ڈارون تاریخ افغان یادداشتیں صفحہ 79۔

47۔ بکران، محمد جہان نامہ، صفحہ 73۔

48۔ گانکوفسکی۔ پاکستانی لوگ، صفحہ 130۔

49۔ ابن بطوطہ سفرنامہ جلد 1، صفحہ 446۔

50۔ ایضاً ایضاً ایضاً۔

51۔ ایضاً ایضاً ایضاً۔

52۔ معظم شاہ۔تواریخ حافظ رحمت خانی صفحہ 5۔

53۔ ایضاً صفحہ 7۔

54۔ ایضاً صفحہ 8-9۔

55۔ ایضاً صفحہ 36۔

56۔ حدود العالم صفحہ 379۔

57۔ ایضاً ایضاً

58۔ ایضاً صفحہ 365۔

59۔ عتبی۔تاریخ یمینی، صفحہ 33۔

60۔ ابن اثیر کامل، جلد 15، صفحہ 102۔

61۔ رشیدالدین۔فضل اللہ جامع التواریخ، صفحہ 16۔

62۔ فرشتہ محمد قاسم تاریخ فرشتہ، صفحہ 43۔

63۔ میر خواند۔روضۃ الصفا، جلد۔4، صفحہ، 92۔

64۔ بیرونی، تاریخ ہند، جلد 1، صفحہ، 199۔

65۔ ایضاً ایضاً، صفحہ، 208

66۔ قدیم کتابوں میں لفظ ''دھک'' کسی جگہ کا بطور اسم بار بار آیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کتب میں مختلف جگہیں ''دھک'' کے نام سے یاد کی گئی ہیں، لیکن جو جگہ غزنوی دور کے بعض مؤلفین مثلاً عبدالحئی گردیزی اور مسعود سعد سلمان 'دھک' کے نام سے یاد کرتے ہیں وہ غزنی کے قریب واقع معلوم ہوتا ہے، اب غزنی اور زرملی کے مابین ایک جگہ 'دھک' کے نام سے موسوم ہے لیکن مکمل یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہ گردیزی اور مسعود سعد کا یاد کردہ 'دھک' ہے۔لیکن جس جگہ کو بیرونی 'دھک' کہتا ہے وہ الصیدنی کے ناشر اور شارح زکی ولیدی توغان کے مطابق افغانستان کا موجودہ 'ڈکہ' ہے جو صوبہ ننگرہار کے انتہائی مشرقی حصہ میں شاہراہ خیبر کے شروع میں واقع ہے۔

67۔ بیرونی صیدنہ انگریزی ترجمہ، صفحہ 24۔

68۔ صیدنہ کا انگریزی مترجم نے یہ لفظ ''افغانستان'' لکھا ہے لیکن اکثر عربی نسخوں میں ''جبال الافغانیہ'' درج ہے اور درست شکل بھی موخر الذکر ہے۔

69۔ بیرونی۔صیدنہ، انگریزی ترجمہ صفحہ 173۔

70۔ بیرونی۔الجواہر۔صفحہ 92۔

71۔ اس نسخے میں یہ لفظ جبال الافاغنہ درج ہوا ہے لیکن البیرونی اور دوسروں کی تحریروں اور نخبتہ الدھر کی بحث کے اندازے اور بالخصوص عبارت میں دیگر مزکور ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل لفظ 'جبال الافغانیہ' ہے۔

72۔ دمشقی۔نخبتہ الدھر۔صفحہ 20۔

73۔ رونی۔دیوان۔مقدمہ صفحہ 4۔

74۔ ایضاً صفحہ نمبر:1۔

75۔ بیرونی۔صفت المعمورہ۔صفحہ:30۔

76۔ بیرونی۔تاریخ ہند۔جلد:1،صفحہ:206۔

77۔ ایضاً جلد نمبر:1۔صفحہ:259۔

78۔ ایضاً جلد نمبر:1۔صفحہ:317۔

79۔ منہاج الدین۔طبقات ناصری۔انگریزی ترجمہ راورٹی جلد:1 صفحہ:76۔

80۔ فرشتہ۔تاریخ فرشتہ۔صفحہ:410۔

81۔ فخر مدبر۔مبارک شاہ۔آداب الحرب صفحہ:315-316۔

82۔ فرشتہ۔تاریخ فرشتہ۔صفحہ:80۔

83۔ معظم شاہ۔تواریخ حافظ رحمت خانی۔صفحہ:30۔

84۔ ایضاً۔صفحہ:33۔

85۔ ایضاً۔صفحہ:56۔

86۔ یہ داستان شاہنامہ کے صفحہ 538 سے 544 تک موجود ہے۔

87۔ فردوسی۔شاہنامہ صفحہ:538۔

88۔ ھروی۔سیفی۔تاریخ نامہ۔صفحہ:250۔

89۔ یہ نام بگومان غالب سوری ہوگا۔

90۔ ھروی۔سیفی۔تاریخ نامہ۔صفحہ:210۔

91۔ ایضاً۔صفحہ:224۔

92۔ یہ لفظ جو تاریخ نامہ میں ''تری'' درج ہے دراصل غالب امکان یہ ہے کہ یہ 'ترین' ہے کیونکہ جس علاقے کا یہاں سیفی ذکر کرتے ہیں وہ زمانہ قدیم سے ترینوں کا وطن ہے۔ جس طرح اسی کتاب کے باب سوئم کے اواخر میں ''ایک ضروری یادداشت'' میں اور اسی طرح باب ششم میں اس پر بحث کی 'ترین' قوم کا نام پشتونوں کے دیگر تمام قبیلوں سے پہلے اسلامی آثار میں موجود رہا ہے۔

93۔ ھروی۔سیفی۔صفحہ:271۔

94۔ ایضاً۔صفحہ:302۔

95۔ ایضاً۔صفحہ:200۔

96۔ اسفزاری زمچی۔روضات الجنات۔جلد:1۔صفحہ:341۔

97۔ ایضاً۔صفحہ:112۔

98۔ سمرقندی۔عبدالرزاق۔مطلع السعدین۔جلد:2۔پہلا جز۔صفحہ:356

99۔ ایضاً۔انجمن کابل کا قلمی نسخہ۔صفحہ:241۔

100۔ معظم شاہ۔تواریخ حافظ رحمت خانی۔صفحہ:26۔

101۔ عتبی۔تاریخ یمنی۔ترجمہ جرفادقانی۔صفحہ:285۔

102۔ ابن اثیر۔کامل۔جلد۔15۔صفحہ:301۔

103۔ رشیدالدین۔فضل اللہ۔جامع التواریخ۔صفحہ:151-152۔

104۔ اس عبارت کو میں اچھی طرح نہیں سمجھ سکا اور ممکن ہے کہ اس کا پشتو ترجمہ بالکل درست نہ ہو۔

105۔ جوینی۔علاؤالدین۔تاریخ جہانگشائی،صفحہ:132۔

106۔ فرشتہ۔تاریخ فرشتہ۔انگریزی ترجمہ برگز۔جلد۔1،صفحہ:6۔

107۔ ابن بطوطہ۔جلد۔1،صفحات:575 - 578۔

108۔ ایضاً۔ایضاً۔صفحہ:633۔

باب نمبر:5

پشتون اور ہجرتیں

پشتونوں کی ہجرت کی روایات دو قسم کی ہیں ایک وہ روایت ہے جو کہتے ہیں کہ پشتون دنیا کے کسی اور حصے سے افغانستان اور پشتونخوا آئے ہیں اور یہاں آباد ہوئے ہیں۔ دوم وہ روایات اور فرضیات ہیں جس میں خود اندرون پشتونخوا اور افغانستان ایک جگہ سے دوسری جگہ پشتونوں کی ہجرتوں کے بیانات اور اندازے ہوئے ہیں۔اوّل الذکر میں ایسی روایات شامل ہیں جو کہ مخزن افغانی، مطلع الانوار اور کروسنسکی کی یاداشتوں میں درج ہیں اور ان پر اسی کتاب کے پہلے باب میں بحث ہو چکی ہے۔ یہ روایات پشتون بنی اسرائیل، قبطین، یا ارمنین گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وسطی مشرقی شمالی افریقہ اور یا قفقاز کے علاقوں سے افغانستان اور پشتونخوا بھیجے گئے ہیں۔ مؤخر الذکر وہ روایات اور فرضیات ہیں جن کے مطابق پشتون اندرون پشتونخوا اور افغانستان ایک علاقے سے دوسرے علاقے بھیجے گئے۔ یہاں ہمارا موضوع بھی مؤخر الذکر روایات ہیں۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے ہنری والٹر بیلو وہ پہلے محاصر لکھاری ہے جو اندرون پشتونخوا اور افغانستان میں امکاناً پشتونوں کی ایک بڑی ہجرت کا ذکر کرتے ہیں، بیلو کہتے ہیں کہ یہ ہجرت قدیم کندھار یا گندھارا یا موجودہ پشاور کے گردونواح سے موجودہ قندھار کو ہوئی ہے وہ کہتے ہیں کہ ''پانچویں یا چھٹی عیسوی صدی میں شمال سے ساکانیوں Seythic کے کئی بڑے گروہوں کے ظہور کے سبب گندھار یا گندھارا کے اصل باشندوں کی ایک عام ہجرت شروع ہوئی، اباسین کے کنارے اپنے گھر بار چھوڑ کر مغرب کی طرف بھیجے گئے وہاں اپنے دیگر رشتہ داروں کے ساتھ اکٹھے ہوئے اور ہلمند کے کنارے اپنے ایک الگ معاشرے کی حیثیت سے

رہنے لگے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایک شہر آباد کیا اور اپنے اصلی پایہ تخت گندھار کے نام سے موسوم کی یہ نام (ابھی تک بھی) موجودہ کندھار شہر اور صوبے کی حیثیت سے زندہ ہے۔

اس زمانے میں یہ لوگ گندھاریوں یا گندھاری کے نام سے پکارے جاتے تھے، ان کا مذہب بودائی تھا اپنے طویل اور تکلیف دہ سفر کے دوران اپنے مذہب کا سب سے مقدس یادگار بھی لے گئے وہ بدھا کے پانی کا برتن تھا۔(1)

گندھاریوں کے اس نظریہ ہجرت کی اثبات دائرۃ المعارف اسلامی سے بھی ہوتا ہے اور لکھتے ہیں۔''کندھار گندھار کی وہ شکل ہے جو عربی واقعہ نگار استعمال کرتے تھے۔ مسعودی اور بیرونی کا قندھار کسی بھی صورت میں موجودہ کندھار نہیں ہے۔ بیلو کا نظریہ قابل قبول ہے کہ یہ نام (قدیم) آراکوزیا (موجودہ قندھار) کو گندھارا کے مہاجرین لے گئے جیسا کہ چینی زائر سونگ یون جو تقریباً 520ء میں گندھارا گیا تھا کہتے ہیں کہ ہجرت کی تاریخ انتہائی وثوق کے ساتھ پانچویں (عیسوی) صدی یعنی یہ وہ وقت ہے جب ہفتالیوں نے گندھارا پر قبضہ کرلیا۔ بودا کی خیرات والا برتن جو ابھی تک (موجودہ) کندھار شہر سے باہر سلطان ویس کی زیارت میں رکھا ہے وہ یقیناً مہاجرین اور بودائی مذہب کے پیشوا وہاں لے گئے ہیں۔(2)

بیلو نے یہ پانی کا برتن خود دیکھا ہے اور کہتے ہیں''یہ ایک بڑا برتن ہے جو کہ ایک سیاہ نما نیلے پتھر سے بنایا گیا ہے جب یہ برتن 1872ء میں دیکھا ایک چھوٹے زیارت میں جو کہ کندھار کے پرانے شہر سے صرف چند سو گز کے فاصلے پر واقع ہے موجود تھا عین ممکن ہے کہ ابھی تک وہاں موجود ہو۔(3)

بیلو نے ایک اور کتاب میں یہ بیان کچھ فرق سے درج کیا ہے، وہاں وہ کہتے ہیں کہ سوات، کابل اور اباسین کے وسطی علاقوں کے مقامی باشندے اس وقت ترنک کے کنارے بھیجے گئے۔ جب ان پر یوچی Yuechi یا جٹہ Jata طائفے نے حملہ کیا اس طرح بیلو اس کتاب میں کہتے ہیں کہ بدھا کا برتن اس نے 1857ء میں دیکھا۔(4)

اودولف کیرو 1957ء میں لکھتے ہیں کہ یہ برتن جس کا قطر تقریباً دو میٹر ہے اب کابل کے میوزیم میں ہے۔(5) لیکن کیرو گندھاریوں کی قدیم ہجرت کے بارے میں بیلو کے نظریئے کو مشکوک نظر سے دیکھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ''بیلو کی یہ قہر آلود باتیں ایک تاریخی حقیقت کی شکل میں بیان ہوئے ہیں جو کہ واقعی تاریخ کی حیثیت سے ناقابل قبول ہیں کیونکہ اسناد، سکّے اور کتبے اس قدیم ہجرت کی تائید نہیں کرتے۔ یہ نظریہ درحقیقت دو قندھار کے ناموں کی بنیاد پر قائم ہوئی ہے۔(6)

لیکن یہ کہنا چاہیئے کہ تاریخی اسناد بھی اس سلسلے میں مکمل خاموش نہیں ہیں، بعض قدیم آثار میں بھی اس قسم کی ایک ہجرت کا ذکر ہوا ہے کہ قبل از اسلام قدیم قندھار ''گندھارا'' کے علاقے سے کابل، غور اور ہرات کی طرف ہوئی ہے۔ سیفی ہروی ''تاریخ نامہ ہرات'' میں بحوالہ 'تاریخ نامہ' از عبدالجبار فامی کہتے ہیں کہ شہر ہرات پہلی بار قندھار سے آئے ہوئے مہاجرین نے آباد کیا تھا، سیفی اس بیان کو اس طرح شروع کرتے ہیں۔

''..........نامور مرحوم شیخ نے اپنے تاریخ نامہ میں ہرات شہر کی بنیاد آٹھ اقسام میں درج کی ہے۔ اوّل یہ کہ ہرات شہر طھمورث بن ھوشنگ کے زمانے میں آباد ہوا ہے'' اس کے بعد سیفی ہرات شہر کی تعمیر کے واقعہ کو قریباً تیرہ صفحات میں بیان کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے۔

طھمورث کی حکمرانی کے اواخر میں ''قندھار'' (7) سے پانچ ہزار افراد کابل کے مضافاتی علاقوں کی طرف گئے لیکن وہاں ٹھہر نہیں سکے، اور غور گئے غور میں بھی ان کو رہائش نصیب نہیں ہوئی، ایک اور جگہ گئے جو ''اوبہ'' کہلاتا ہے وہاں کافی عرصے تک رہے اور اچھی طرح آباد ہوئے لیکن بعد میں ان میں دشمنی ہوئی اور آپس میں لڑنے لگے۔

جس قوم نے لڑائی میں شکست کھائی وہ 'اوبہ' سے شمیران گئے اور وہاں سے ایک اور جگہ گئے وہاں قندز (8) کے نام سے ایک اور شہر آباد کیا۔ کافی عرصے تک اس شہر میں رہے پھر ہرات شہر کو آباد کیا اور تمام وہاں چلے گئے۔

جیسا کہ سیفی نے یہ بیان خود اس کے قول کے مطابق عبدالرحمن فامی کے تاریخ نامہ ہرات سے نقل کیا اور تاریخ نامہ کا شارح محمد زبیر صدیقی نے فامی کی زندگی کا اندازہ 472ء سے 546ء تک اندازہ لگایا ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ موجودہ افغانستان کی طرف 'گندھاریوں' یا 'قندھاریوں' کی ہجرت کا واقعہ تاریخ نامہ کی تالیف سے اندازاً دوسو سال قبل درج ہوا ہے۔

ہرات شہر کے آباد ہونے کی روایت مورخین نے مسلسل ایک دوسرے سے نقل کی ہے اور محمد زبیر صدیقی اپنے مقدمے میں کہتے ہیں کہ ہرات کی سب سے قدیم معلوم تاریخ یاسین الحداد کی 'تاریخ ہرات' ہے جو 343ھ میں لکھی گئی ہے۔ اگر سیفی اور فامی نے اپنی روایت احداد کی تاریخ سے نقل کئے ہیں تو پھر گندھاریوں کی ہجرت کے لکھنے کا وقت چوتھی ہجری صدی کے اوّل نصف حصے تک پہنچتا ہے اور ہجرت اس سے بہت پہلے ہوئی ہوگی۔

مختصر یہ کہ موجودہ افغانستان کی طرف 'گندھاریوں کی ایک قدیم ہجرت کا ذکر صرف بیلو نے نہیں کیا ہے بلکہ بعض قدیم اسناد میں بھی ہوا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ نہ سیفی واضح کرتے ہیں کہ یہ مہاجرین پشتون تھے اور نہ ہی بیلو۔ لیکن جن علاقوں میں ہجرت کا واقعہ رونما ہوا ہے ان میں جیسا کہ چوتھے باب میں ذکر کیا معتبر قدیم آثار زمانہ قدیم سے پشتون آباد گردانتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مہاجرین یقیناً پشتون ہوں گے۔

ان علاقوں میں ایک قدیم ہجرت کا ذکر تاریخ فرشتہ کے مؤلف محمد قاسم فرشتہ نے کیا ہے وہ واضح طور پر اس ہجرت کو پشتونوں کا کہتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ افغان 63ھ میں اپنے پہاڑوں سے کرمان، شیوران اور پشاور کی طرف اُتر آئے اور زمین تباہ کئے۔ راجہ لاہور نے ان کو ایذا رسانی کی خاطر ہزار سپاہ روانہ کئے لیکن شکست کھائی۔ راجہ نے اپنے بھتیجے کو دو ہزار سوار اور پانچ ہزار پیادہ سپاہیوں سمیت بھیجا تاکہ پھر ان سے لڑ سکے۔ افغانوں اور ہندؤں کے جنگی سپاہی پانچ مہینے تک لڑتے رہے، لیکن موسم سرما آیا اور ہندو مجبور ہوئے کہ واپس لاہور جائیں موسم بہار میں بھی افغانوں اور ہندؤں نے کئی لڑائیاں لڑیں آخر ہندی نیلاب پار

کر گئے افغان بھی پیچھے گئے اور اپنی سرحدوں تک واپس ہوئے، لیکن بعد میں افغان پھر پشاور کی طرف آگے ہوئے وہاں پہاڑ میں خیبر کے نام سے ایک قلعہ تعمیر کیا اور روہ ولایت پر قابض ہوئے۔(9)

نواب محبت خان نے بھی ریاض المحبت جو کہ 1806ء میں مکمل کی تھی میں پشتونوں کی اسی نوعیت کی ہجرت کا ذکر کرتے ہیں۔ ریاض المحبت کی یہ روایت راورٹی نے اپنے ایک مضمون کے حاشیے میں نقل کیا ہے اور یہ ہے

''جب والی خراسان حجاج سقفی نے اپنے بھتیجے قاسم سقفی کی سربراہی میں ہندوستان پر لشکرکشی کی۔ ان کاروایوں میں افغانوں کا ایک بہادر لشکر بھی ساتھ تھا وہ روہ میں آگے نکلے اور روہ پر قبضہ کرنے کے بعد ملتان پہنچے، روہ افغانوں کو دیا گیا اور انہیں ہدایت کی گئی کہ سرکش ہندو لڑائی کیلیئے نہ چھوڑیں جب افغانوں نے روہ کے علاقے پر قبضہ کیا اور وہاں آباد ہوئے تو روہیلہ کے نام سے موسوم ہوئے۔(10) نعمت اللہ ہروی تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی میں لکھتے ہیں کہ پشتون غور سے دیگر علاقوں کو بھیجے گئے ہیں وہ لکھتے ہیں'' جیسا کہ ....سلطان شہاب الدین غوری غزنی کے تخت پر تخت نشین ہوئے تو ہندوستان پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا، کئی دفعہ غزنی سے ہندوستان آئے پہلی بار لاہور سے واپس ہوئے دوسری دفعہ نھر والہ سے نامراد واپس ہوئے تیسری دفعہ افغان قبائل کے بارہ ہزار بہادر، سوار اور جنگی سپاہ اپنی فوج کے ساتھ لے آیا اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح نصیب کی اور ہندوستان کے راجہ پتھورا کو قتل کیا............سلطان شہاب الدین غوری نے واپسی پر یہ لوگ (افغان) روہ اور سلیمان کے پہاڑوں اشنغر اور سوات اور باجوڑ میں (اور) کابل کی حدود سے دریائے نیلاب اور قندھار کے مضافات سے ملتان کی سرحد تک آباد کئے، ملک معراج الدین کو بیس ہزار افراد سمیت ابھارا کہ یہ لوگ (افغان) سب اپنے خاندانوں سمیت غور کے پہاڑوں سے بھیج دیں اور ان پہاڑوں (روہ کے) کو لے جا کر وہاں آباد کردیں..............

جب معزالدین نے یہ لوگ (افغان) آباد کئے سلطان بہت خوش ہوئے اور ان

کی آبادی کو ہندوستان کی فتح سے تعبیر کیا اور تھا بھی اسی طرح سلطان نے مہربانی کی اور ہر فرقے کو دریائے نیلاب کے آس پاس جاگیریں عطا کیں''۔(11)

حافظ رحمت خان پھر خلاصۃ الانساب جو کہ 1184ھ میں لکھی گئی ہے میں کہتے ہیں کہ سلطان محمود نے ہزاروں پشتون اپنی فوج میں ہندوستان ساتھ لے گئے اور بہت سے وہاں ٹھہرائے وہ لکھتے ہیں'' سلطان محمود بادشاہ کئی دفعہ سندھ اور ہندوستان پر قبضہ کرنے کی غرض سے آئے لیکن بے فائدہ اور بغیر فتح کے واپس گئے بالاخر غزنی اور کندھار کے افغانوں کے دامن گیر ہوئے، کہا جاتا ہے کہ ان علاقوں کے افغانوں سے بارہ ہزار سوار اور بارہ ہزار پیدل سپاہی اس کے ساتھ شامل ہوئے اور مشتر کہ طور پر آئے اور فوج شروع میں ہندوستان پر حملہ آور ہو کر اور دکن تک ہندوستان پر قابض ہوا............سلطان محمود نے اس آخری بار تمام کفار ہلاک کئے اور واپس ولایت (12) گئے........افغانوں کو بعض علاقوں میں خصوصاً لاہور کے آس پاس دین اسلام کے احکامات کی ترویج کیلئے جابجا آباد کیا۔(13)

بعض اسناد کے مطابق پشتون سلطان محمود کے حکمرانی سے بھی پہلے ان علاقوں میں آباد ہوئے تھے، فرشتہ کہتے ہیں'' جب حکومت غزنی الپتگین کے ہاتھوں آئی تو اس کے جنرل سبکتگین نے اکثر ملتان اور لمغان کے علاقوں پر حملے کرتا اور افغانوں کی مزاحمت کے باوجود ان علاقوں کے لوگوں کو غلاموں کی حیثیت سے لے جاتا (دریائے اباسین کے کنارے ایک گاؤں) لاہور راجہ جیپال.........نے بھارتیا سے مطالبہ کیا کہ شیخ حمید افغان کو مقام دے شیخ حمید (لودھی) ملتان اور لمغان کے والی مقرر ہوئے اور ان علاقوں میں افغانوں کو فوجی چھاؤنیوں میں داخل کیا''۔(14)

اخوند درویزہ بھی تذکرۃ الابرار والاشرار میں مشرق سے مغرب کی طرف پشتونوں کو بھیجنے کے دو بڑے واقعات کا ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں ایک سلطان محمود غزنوی کے لشکر کشی کے وقت ہوا تھا اور دوسرا الغ بیگ کے دور حکمرانی میں۔(1496ء-1501ء) درویزہ پہلے واقعے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ایک مسلمان جو ہندوستان گیا تھا سلطان محمود

کے پاس گیا اور اس کو ہند میں مسلمانوں اور اسلام سے حقارت کا حال بیان کیا سلطان محمود کو جب معلوم ہوا تو ہند کی مہم کو اپنے لئے فرض کیا تو یہی تھا کہ کابل کی طرف سے ہندوستان پر حملہ کیا۔ کئی جگہوں پر قابض ہوئے لیکن بالآخر شکست کھائی اور واپس اپنے ملک گئے وہاں کندھار کے افغانوں کے پاس گئے اور مدد طلب کی چودہ ہزار افغانی سپاہی جن مین ہر ایک کے ساتھ بیوی بھی تھی، سلطان کے ساتھ شامل ہوئے۔ ملتان کے راستے ہند پر حملہ کیا اور ہند پر قبضہ کیا اور بہت سے افغان بھی وہاں رہ گئے، کندھار کے بقایا افغان بھی کچھ ہند گئے بعض اور ممالک کو کوچ کر گئے اور کچھ قندھار میں رہ گئے۔ افغان جن علاقوں پر قبضہ کرتے وہاں رہ جاتے اور وہاں کے اصل باشندوں کو ختم کرتے بعض کو قتل کرتے اور بعض کو غلام اور رعایا بنا لیتے۔ (15)

درویزہ پشتونوں کی ہجرت کے دوسرے واقعے کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں کہ افغان جب کندھار کی تقسیم کرتے تھے تو ترینوں کا حصہ کند اور زمند کے حصوں کے وسط میں واقع ہوا۔ کند کے لوگوں میں سے شخی (16) ترین کے زیادہ قریب تھے اس لئے کہ شخی کا حصہ ندی ارغسان تھا جو ترینوں کی حدود کے بہت قریب تھا ایک وقت ترینوں اور شیخی کے مابین دشمنی پیدا ہوئی اور برسر پیکار ہوئے، ترینوں نے کچھ شیخی قتل اور کچھ بھگائے جو شخی ندی ارغسان سے بھیجے گئے وہ غوریا خیل کے ہاں گئے اور ان سے کچھ زمینیں طلب کیں، غوریا خیل نے کچھ ناکارہ زمین دی بعد میں ساون کی بارشوں اور سیلابوں نے غوریا خیل کی زمین کافی برباد کی جو زمین انہوں نے خشی خیلوں کو دی تھی اسے طاقت اور لڑائیوں کے ذریعے دوبارہ چھین لی شخی یہاں سے بھی گارونگی نامی جگہ کوچ کر گئے (تواریخ حافظ رحمت خانی میں یہ الفاظ گاڑہ اور نشکی درج ہیں)۔

بعد میں یہ لوگ یہاں سے صوبہ کابل گئے اتمان خیل بھی 'تک' (ممکن ہے یہ نام تل ہو) اور 'گومل' کی حدود سے کابل بھیجے گئے اور غوریا خیل کے ساتھ شامل ہوئے۔ مہمند زئی بھی جو دراصل زمند ہیں بعض واقعات کی وجہ سے خشیوں کے ساتھ شامل ہوئے۔

یوسف زئی اور مندن بہت بڑی تعداد میں کابل آئے اور وہاں کے مسلمانوں کو تنگ کرتے تھے ناجائز طور پر ان سے مال چھینتے اور غیر مناسب حرکات کرتے یوسف زئی دیگر افغانوں سے بے پرواہ تھے اور میرزا قلی بیگ سے احتراز نہیں کرتے اور پردہ اور حجاب کی کوئی پرواہ نہیں کرتے بالآخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ میرزا قلی بیگ ان سے لڑ پڑے بہت سوں کو قتل اور کئی ایک لوٹ لئے، یوسف زئی میرزا سے بھاگ گئے اور کابل کے پہاڑوں میں کسی درے میں داخل ہوئے بعد میں اس درے سے دوبارہ میدان میں آئے اور لوگوں کو تنگ کرتے اور ان کے مال لوٹ لیتے میرزا قلی نے مصلحتاً ان سے اچھا سلوک شروع کیا۔ایک دن میرزا نے یوسف زئیوں کے سردار اپنے دربار طلب کئے اور اچھے لباس اور مہمان نوازی سے نوازا پھر ان سے کہا کہ یہ ان کا اپنا مہمان خانہ ہے جب ان کا جی چاہے ان کیلئے یہاں لباس، شراب اور طعام تیار ہیں۔اس کے بعد ہمیشہ یوسف زئی سردار میرزا کے دربار جاتے۔ایک دن نو سو افراد اس کے دربار گئے اور میرزا نے سب قتل کر دئے۔جب میرزا نے یوسف زئیوں کے سردار قتل کئے ان کا بڑا سردار ملک سلطان شاہ میرزا کی خدمت میں حاضر ہوا اور گزارش کی کہ اس کی دو گزارشات سنی جائیں، ایک یہ کہ اس کے بھتیجے احمد کو قتل نہ کیا جائے اور اس کو بری کیا جائے اور دوسرا یہ کہ یوسف زئیوں کی خواتین اور بچوں کو قیدی نہ بنائے اور انہیں اجازت دی جائے کہ جہاں چاہیں وہ جا سکتے ہیں۔میرزا قلی بیگ نے یہ گزارشات مان لیں۔احمد موت کی چنگل سے آزاد ہوا اور بعد میں اپنی قوم کا بڑا سردار بنا اور یوسف زئیوں کو سوات، بنیر، باجوڑ یا بقول درویزہ ملک ہمواری کے مالک بنوائے۔

یوسف زئی اپنے سرداروں کے قتل کے بعد ننگر ہار گئے اور لغمان کے ترکانوں سے برسر پیکار ہوئے کچھ عرصہ بعد یوسف زئیوں اور مہمند زئیوں کے مابین حصارک میں بہت سخت جنگ ہوئی جنگ میں یوسف زئیوں کو فتح ہوئی لیکن پشتون رسم ورواج کے مطابق یہ جگہ انہوں نے قتل شدہ سپاہیوں کے پسماندگان کو چھوڑ دیا۔

گگیانی باسوں میں رہ گئے۔اور بعض کہتے ہیں کہ یوسفزئی باجوڑ کی طرف روانہ

ہوئے اور باجوڑ کے کچھ حصوں پر قابض ہوئے، یا تو یوسف زئی باجوڑ کو برقرار نہیں رکھ سکتے تھے یا ان کو پسند نہیں تھا۔ لہٰذا وہ سفید سنگ میں دلزاکوں کے پاس جرگے کی صورت میں گئے اور ان سے زمین طلب کی لیکن دلزاکوں نے انہیں زمین نہیں دی بالآخر جرگہ جھگڑے میں تبدیل ہوا، یہ جنگ بھی یوسف زئی جیت گئے۔ اس کے بعد یوسف زئی تاترہ اور شلمان کے پہاڑوں کی طرف گئے وہاں دلزاکوں کے ساتھ صلح کی اور پشاور کے علاقے مین داخل ہوئے د لزاکوں نے ان کے ساتھ فراخ دلی کا مظاہرہ کیا اور انہیں زمین دی اس کے بعد یوسف زئی دلزاکوں سے الگ ہوئے اور دوآبہ چلے گئے یوسف زئی نے شلمانوں کے ساتھ بھی جو اشنغر میں آباد تھے لڑائی کی۔ شلمانوں کے سردار جس کا نام جلو تھا کو قتل کیا اور جنگ میں یوسف زئیوں کی جیت ہوئی، شلمانی بھگا دیئے اور وہ سوات گئے۔ سلطان سوات نے ان کو جگہ دی اور ڈنڈ کی سرحد تک کا علاقہ انہیں دیا۔

جب یوسف زئی اشنغر میں تھے دلزاکوں نے پھر ان سے دشمنی شروع کی چونکہ علاقے کی زمین دلزاکوں کی تھی لہٰذا جب بھی یوسف زئی وہاں سے گزرتے دلزاک انہیں قتل کر کے لوٹ لیتے تھے۔ جب یوسف زئیوں کے کاروان علاقے سے گزرتے تو دلزاکوں کے ڈاکو ان پر حملہ آور ہوتے اور ان کو لوٹتے۔ ملک احمد نے شخی کے لوگوں سے رجوع کیا اور ان سے مدد طلب کی مہمند زئی باوجود اس کے کہ یوسف زئیوں کے ساتھ ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے ملک احمد کی درخواست مان لی اور مشترکہ نور پر ان کے ساتھ آئے لیکن ایک شرط یہ تھی کہ اشنغر انہی کا ہی ہوگا، گگیانی بھی ساتھ شامل ہوئے لیکن شرط یہ تھی کہ دوآبہ ان کا ہوگا۔

اس کے بعد دلزاکوں اور یوسف زئیوں کے مابین سخت جنگیں ہوئیں، دلزاکوں کو شکست ہوئی اور ہزارہ کی طرف گئے اور وہ ملک تباہ کیا اس کے بعد یوسف زئیوں نے سوات پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا اور بارہ سالوں میں سارے سوات پر قبضہ کیا اس کے بعد باجوڑ کے علاقے تلاش کی جنگ شروع کی اور باجوڑ کے علاقے تلاش پر بھی قبضہ کر لیا، اس طرح یوسف زئیوں کے ملک کو ناوہ گی سے لے کر ارہنڈہ تک توسیع ہوئی اور سالہا سال وہاں آباد

رہے۔

جب یوسف زئیوں کی سرداری خان کجو کے ہاتھوں آئی اس نے شیخ تپور کے معاملے میں غوریا خیل کے ساتھ سخت جنگ کی اور میدان مارلیا۔(17)

یوسف زئیوں کی ہجرت کے یہ واقعات جو تذکرۃ الابرار میں مختصراً بیان ہوئے ہیں، تواریخ حافظ رحمت خانی میں پوری تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ جیسا کہ اس ہجرت اور اس کے ساتھ مربوط دیگر واقعات کے بارے میں موجودہ لکھاریوں کا منبع ہی تواریخ حافظ رحمت خانی ہے۔ اور بعض معروف مغربی لکھاریوں مثلاً مونٹراٹ الفنٹسن اور اوولف کیرو نے بھی یہ ہجرت اپنے آثار میں تواریخ کے ذریعے پوری تفصیل سے درج کی ہے۔ اور بالخصوص تواریخ درویزہ کے تذکرۃ الابرار کی روایت سے بھی تفصیلاً اور کئی بنیادی نکات کے حوالے سے الگ ہے۔ لہٰذا ہم تواریخ کا خلاصہ بھی یہاں درج کرتے ہیں تاکہ قارئین کیلئے اس کا مطالعہ اور تذکرے کے روایات کے ساتھ موازنہ آسان ہوجائے۔

تواریخ حافظ رحمت خانی اس کتاب کی ایک سادہ شکل ہے جو خواجہ ملیزئی نے ''تواریخ افاغنہ'' کے نام سے لکھی تھی اور نواز طائر نے تالیف کے زمانے کا اندازہ تواریخ حافظ رحمت خانی کے مقدمے میں 1622ء سے 1623ء تک لگایا ہے، پیر معظم شاہ نے خواجو ملیزئی کی تواریخ افاغنہ حافظ رحمت خان کی ہدایت پر 1772ء میں بہت سادہ اور آسان عبارت میں لکھی اور تواریخ حافظ رحمت خانی کا نام رکھا ہے۔ تواریخ کے ابواب کے عنوانات فارسی میں ہیں لیکن متن اکثر پشتو اور کچھ پشتو اور فارسی میں مشترک لکھا گیا ہے تواریخ لکھتی ہے

''کہا جاتا ہے کہ یوسف زئی گاڑہ اور نوشکی اور غوریا خیل ترنک اور مقر اور قرہ باغ میں آباد ہیں۔ کسی وجہ سے ان میں لڑائی ہوئی تمام خشیوں کو شکست دی اور وہ ملک چھین لیا۔ تمام خشی چنانچہ یوسف زئی اور گگیانی اور ترملانی محمد زئی سمیت تمام قبائل کوچ کر گئے، کابل کی طرف آئے اور وہاں قیام کیا الغرض کابل کے علاقوں میں یوسف زئی اہل شان

وشوکت بنے کابل کے آس پاس کے تمام علاقے اپنے زیر تصرف لائے۔(18)

اس کے بعد تواریخ نے یوسف زئیوں کی ہجرت کی کہانی اور مربوط واقعات درویزہ کی نسبت زیادہ تفصیلاً بیان کئے ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

کہا جاتا ہے کہ شخی کابل کے آس پاس علاقوں میں آباد ہوئے یہاں ان کا سرکردہ ملک سلیمان شاہ ولد ملک تاج الدین ولد ملک دجڑ تھا، جب ملک سلیمان شاہ کابل کے علاقوں اور مضافات پر مسلط ہوا اس وقت شہزادہ الغ بیگ ولد سلطان ابوسعید جو چھوٹا لڑکا تھا بہت قلیل تعداد میں مغلوں کے ساتھ ماورالنھر سے کابل آیا، جب ملک سلیمان شاہ نے اسے دیکھا تو اس کے ساتھ بڑی محبت پیدا ہوئی اتنا کہ ''اپنی بیٹی اسے منسوب کی'' وہ ہمیشہ اسے بیٹے کی طرح گود میں اٹھاتے اور پالتے۔ جب تربیت یافتہ اور بڑا ہوا ملک سلیمان شاہ نے بادشاہ بنایا لیکن کابل کے علاقوں کا حقیقتاً اقتدار پھر بھی یوسف زئیوں اور ملک سلیمان شاہ کے پاس تھی، الغ بیگ کو یہ بات پسند نہ تھی اور چاہتا تھا کہ خود کو ملک سلیمان شاہ اور اس کی قوم کی تسلط سے آزاد کردے مگر یوسف زئی بہت مضبوط تھے اور وہ ان کو ختم کرنے کا بندوبست نہیں کر سکتے۔

ایک وقت یوسف زئیوں اور گگیانیوں کے مابین ایک دوشیزہ پر سخت دشمنی پیدا ہوئی۔ یہ دوشیزہ جس کا نام فاطمہ تھا ملک سلطان شاہ کی بھتیجی تھی، سلطان شاہ کی بیٹی اور ملک احمد کی بہن تھی اور گگیانی شخص کے نام منسوب تھی مگر گدائی کے بیٹے ابراہیم یوسف زئی نے کابل سے اغوا کر کے گُرم لے گئی۔ گگیانی اس واقعے پر یوسف زئیوں سے سخت ناراض ہوئے اور بالآخر جھگڑے شروع ہوئے، الغ بیگ نے سوچا کہ اب پشتونوں کو کمزور کیا جا سکتا ہے پہلے گگیانیوں کو ختم کرنے کا ارادہ کیا اور ملک سلیمان شاہ کو بھی اطلاع دی لیکن سلیمان شاہ نے گگیانیوں کے پاس آدمی بھیجے اور الغ بیگ کے ارادے سے باخبر کیا، گگیانی فوراً بھاگ گئے الغ بیگ جب ان کے علاقے میں گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ ''مکان ہیں مگر مکین نہیں ہیں''۔

گگیانیوں نے الغ بیگ کو اطلاع دی کہ اس کے حملے کی اطلاع ملک سلیمان شاہ نے دی تھی۔ الغ بیگ یوسف زئیوں پر غصے سے آگ بگولا ہوا۔ گگیانیوں کے سرداروں کو

دربار میں طلب کیا اور ان کی بہت تعظیم کی اور پھر ان کو کہا کہ ''یوسف زئی آپ کے بھی دشمن ہیں اور ہمارے بھی۔ میں یوسف زئیوں سے بہت بیزار ہوں اور آپ کی طرف دار ہوں اب آپ کو چاہیئے کہ اپنی جنگی سپاہ اکٹھا کرلیں اور اُن پر حملہ آور ہوں اور میں پوری قوت کے ساتھ نکل کر آپ کے ساتھ شامل ہو جاؤں گا۔

گگیانی تو شروع ہی سے اس دن کے انتظار میں تھے فوراً اپنے سپاہی اکٹھے کیئے الغ بیگ بھی اپنے لشکر سمیت نکلے اور یوسف زئیوں کے ساتھ لڑنے کی خاطر روانہ ہوئے۔ کابل شہر کے قریب غوڑی مرغے کے علاقے میں یوسف زئیوں کے لشکر سے آمنا سامنا ہوا۔ گگیانیوں اور مغلوں کو شکست ہوئی اور نتیجتاً وہ اچھی طرح سمجھے کہ یوسف زئیوں کو طاقت کے بل بوتے پر شکست نہیں دی جا سکتی لہٰذا الغ بیگ نے یوسف زئی سرداروں کو بہت پیسے بھجوائے اور تمام کو کابل آنے کی دعوت دی۔ یوسف زئی سرداروں نے پہلے پیسے لئے اور پھر کابل گئے الغ بیگ کے آدمی ان کے استقبال کیلئے نکلے اور کہا کہ بادشاہ نے سب کو بغیر اسلحے کے دربار میں طلب کیا ہے۔ لہٰذا وہ خالی ہاتھ دربار گئے۔ بادشاہ سب پر بہت مہربان ہوا اور اپنے امیروں کو حکم دیا کہ ان میں سے کچھ کچھ کو اپنے ہاں لے جائیں اور امیروں نے ایسا ہی کیا لیکن بعد میں تمام یوسف زئی ہاتھ باندھے الغ بیگ کے پاس لے جائے گئے۔ الغ بیگ نے ملک سلیمان شاہ کے ایک جوان بھتیجے اور پانچ رانی زئیوں کے سوا باقی تمام سات سو سردار قتل کر دیئے اور حکم دیا کہ ان کو سیاہ سنگ کے علاقے میں دفن کیا جائے۔ تواریخ کہتی ہے کہ ان کا قبرستان ''ابھی تک شہدائے یوسف زئی قبرستان کہلاتا ہے''۔ (19)

ملک سلیمان شاہ کا یہ جوان بھتیجا جس کا نام احمد تھا اور یوسف زئی سرداروں کے قتل عام میں بچ گیا تھا اور اپنی قوم کے پاس گیا اور حالات سے ان کو آگاہ کیا، قوم نے فیصلہ کیا کہ وہ مزید کابل میں نہیں رہ سکتے لہٰذا انہیں کہیں اور جانا چاہیئے۔ تمام پشاور روانہ ہوئے اس وقت پشاور اور آس پاس کے علاقوں کے رہنے والے دلزاک پشتون تھے اور ''پشاور'' دوآبہ باجوڑ، ننگرہار، کالے پانی، دریائے ہزاری تک یہ تمام علاقے ان کے تھے۔ (20) یوسف زئیوں

نے ان سے کچھ زمین طلب کی دلزاکوں نے دوآبہ دیا اور پھر ملک احمد کے مطالبے پر دانشکول، عنبر اور باجوڑ کے علاقے بھی دیئے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اشنغر بھی دوآبہ کے ساتھ ہے۔ یوسف زئی دوآبہ میں رہنے لگے اور کابل میں باقی بیوائیں اور یتیم بچے بھی ان کے پاس آ گئے۔ خانہ بدوش یوسف زئی دانشکول اور عنبر گئے ایک بڑی تعداد امان زئی، کمال زئی، ماموزئی اور بہت سے خواجوزی پھر باجوڑ گئے اور لاشوڑہ میں رہنے لگے۔

یوسف زئیوں نے دلزاکوں، خلجیوں، سواتیوں سے اور علاقوں پر قبضہ کرنے کیلئے بھی جھگڑے شروع کئے اور ان علاقوں پر قابض ہوئے اور اچھی طرح آباد ہوئے بعد میں اور بھی بہت سے علاقوں پر قابض ہوئے اور خان کجو کے وقت یوسف زئیوں کا اقتدار ایک ایسی حد تک پہنچا کہ ''تمام اہل افغانستان ان کے مطیع اور تابع ہوئے.........تمام علاقہ اشنغر، دریائے لنڈی، دریائے اباسین تک اور تمام سوات، تو روالہ تک تیراہ سے پنجکوڑی اور نیا کہ تک جو لاہور کے نام سے موسوم ہے اور تمام بُنیر اور چملہ تر تیونلہ تک اور تمام اشنغر اور تمام دوآبہ اور تمام باجوڑ ہندوراجہ تک، آسمارہ، بادہ گی۔ کونڑ تک اور تمام پشاور کڑوبی تک، خیبر سے ننگرہار تک، تیراہ سے کوہاٹ تک اور تمام خٹک اس پار مارگلہ اور گکھڑ، پکھلئی یہ تمام علاقے ان کیلئے آسان تھے اور ان علاقوں کے باشندے ان کے فرمانبردار اور تابعدار تھے''۔(21)

تواریخ یوسف زئیوں کی اس بڑی ہجرت اور دلزاکوں کے ساتھ یوسف زئیوں کی پہلی لڑائی کے ضمن میں خلیلوں کی ایک ہجرت کا ذکر بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لاشوڑہ میں یوسف زئیوں کے آباد ہونے کے تقریباً ایک سال بعد شیخ میرداد افغان خلیل متی زئی اور اس کے ساڑھے تین سو مرید جن کی اکثریت خلیل تھے کندھار کے ترنک اور قلات کے علاقوں سے اپنے گھر بار کے ساتھ لاشوڑہ آئے اور یوسف زئیوں کے ساتھ رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد پوری خلیل قوم اپنے گھر بار کے ساتھ شیخ میرداد کے پیچھے آئی اور لاشوڑہ میں رہنے لگے۔ (22)

تواریخ پشتونوں کی ایک اور ہجرت کا ذکر بھی کرتی ہے اور کہتی ہے کہ ''بابر بادشاہ

جب قوم گگیانیوں کے ساتھ کابل میں رہ گیا تو مخالفت شروع [گگیانی] ذلیل وخوار ہوئے باقی کابل سے کوچ کر گئے اور یوسف زئیوں کے ہاں جانے لگے، مگر طائفہ موسیزئی جن کا یوسف زئیوں سے عداوت تھی وہاں [کابل میں] ہی رہنے لگا''۔(23)

تواریخ کہتی ہے کہ بعد میں گگیانیوں کے بڑے بڑے سرداروں نے ملک ہمزہ ابن یعقوب اور ملک میری لالہ زئی اور کئی دوسرے گگیانی سردار یوسف زئیوں کے بڑے سردار ملک احمد کے پاس دوآبہ بھیجے۔ ان سرداروں نے ملک احمد کو کابل میں گگیانیوں کی مشکلات سے آگاہ کیا اور اس سے مدد طلب کی ملک احمد نے گگیانی سرداروں کا احترام کیا اور ان سے کہا کہ ''تمام دوآبہ آپ کا ہوا'' تمام سردار دوبارہ اپنی قوم کے پاس آئے اور ملک احمد کی بات سے آگاہ کیا، گگیانی بہت خوش ہوئے اور کرڑپی کے راستے دوآبہ گئے جب گگیانی دوآبہ پہنچے یوسف زئی دوآبہ سے اشنغر گئے اور تمام دوآبہ گگیانیوں کے حوالے کیا۔(24)

تاریخ یہ بھی کہتی ہے کہ جب گگیانی دوآبہ گئے اور موسیزئی گگیانی اور کچھ اتمانخیل کابل میں رہ گئے بعد میں وہ کابل سے لوئر پشتونخوا گئے ۔(25)

جیسا کہ تواریخ حافظ رحمت خانی پشتون قبائل کے واقعات کے بیان کے بارے میں سب سے قدیم اور مفصل سند ہے اسی وجہ سے خارجی مؤلفین مثلاً الفنسٹن انیسویں صدی کے اوائل سے اور اپنے لکھاری اس کتاب کے ہاتھ آجانے اور چھپ جانے کے بعد بہت زیادہ اس کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔

تواریخ حافظ رحمت خانی اسلوب کے لحاظ سے پشتو نثر کی ایک بڑی زندہ کتاب ہے اور ممکن ہے پہلی لکھی ہوئی کتابوں میں پشتو جدید نثر کا پہلا نمونہ قرار دیا جائے، لیکن تاریخی لحاظ سے اس میں بعض کمزوریاں اور چند ایسے واقعات بھی درج ہیں جو کہ تاریخی واقعات سے ہم آہنگ نہیں ہیں بہ الفاظ دیگر تاریخی ماہیت کی بجائے اس کی افسانوی اور روائتی شکل زیادہ مضبوط ہے البتہ میں تمام تواریخ کا تنقیدی جائزہ اپنی بحث اور حتیٰ کہ اپنے بس سے باہر سمجھتا ہوں، لیکن یوسف زئیوں کی ہجرت اور اس کے ساتھ مربوط واقعات کے بارے میں ایک

یاد ہانی ضروری سمجھتا ہوں۔ جب تواریخ حافظ رحمت خانی کو بابر نامہ کے ان حصوں کے ساتھ موازنہ کیا جاتا ہے جس میں انہی اوقات کے واقعات بیان ہوئے ہیں تو بندہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ تواریخ کے بعض نکات قابل غور ہیں ان نکات میں ایک کابل سے پشاور کی طرف ہجرت کا وقت ہے تواریخ حافظ رحمت خانی کابل سے پشاور کی طرف یوسف زئیوں کی عام ہجرت کی خصوصی تاریخ بیان نہیں کرتا البتہ اس کی بعض تشریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہجرت پندرویں عیسوی صدی کے دوسرے نصف کے اواخر میں ہوئی ہے۔

تواریخ میں درج ہے کہ یوسف زئی اس کے بعد لوئر پشتونخوا کی طرف گئے جب کابل کے حکمران الغ بیگ نے ان کے سات سو سردار تمام ایک ساتھ قتل کئے جیسا کہ الغ بیگ 1469ء میں کابل اور غزنی کے علاقوں کا حکمران منتخب ہوا اور 1501ء میں یعنی کابل پر بابر کی حکمرانی کے آغاز سے تقریباً تین سال پہلے فوت ہوا۔ لہٰذا یوسف زئیوں کے ان سات سو سرداروں کو 1469ء اور 1501ء کے درمیانی عرصے میں قتل ہونے چاہئیں اور باقی یوسف زئیوں کی ہجرت بھی یقیناً اس واقعے کے بعد ہوئی ہوگی۔

جو تشریحات تواریخ میں الغ بیگ، گگیانیوں اور یوسف زئیوں کے روابط اور جھگڑوں کے بارے میں درج ہیں اس کے مطالعے کے نتیجے میں کہا جا سکتا ہے کہ یوسف زئیوں کے سرداروں کے قتل عام کا یہ واقعہ اور کابل سے پشاور کی طرف ان کی عام ہجرت کو 1485ء اور یا 1490ء کی حدود میں ہونا چاہئے۔ تواریخ کی بعض عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات پندرویں عیسوی صدی کے عین اواخر کے چند سالوں میں ہونے چاہئیں۔ تواریخ الغ بیگ کی موت کے بارے میں لکھتی ہے۔

''اس وقت الغ بیگ نے یوسف زئیوں پر ظلم اور زیادتی بڑھادی اور انہیں جلا وطن کیا............ اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی عذاب نازل کی، دونوں بھائیوں پر سرطان کے دانے نکل آئے۔ بہت عذاب میں مرے۔ کچھ عرصے کے بعد محمد بابر.........: بادشاہ ہوا۔ (26)

جب تواریخ کی اس عبارت کو پشتون سوسائٹی کی معاشرتی ذہنیت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے تو مکمل یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ تواریخ یوسف زئی سرداروں کے قتل عام، الغ بیگ کی موت اور کابل میں بابر کی حکمرانی تک پہنچنا ایک دوسرے کے بہت قریب واقعات گردانتے ہیں اور الغ بیگ کی موت اور یوسف زئیوں کی ہجرت کے آغاز کے درمیان دو، تین سال سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے۔ جیسا کہ الغ بیگ 1501ء میں انتقال ہوا لہٰذا یوسف زئیوں کے سرداروں کا قتل عام اور بقایا یوسف زئیوں کی ہجرت کا زمانہ پندرویں عیسوی صدی کے آخری عشرے کے آخر میں ہونا چاہئے۔

تواریخ کے بعض بیانات سے بھی یہ دکھائی دیتا ہے کہ یوسف زئیوں کی یہ عام ہجرت بھی اسی مدت میں کبھی ہوئی ہے ان بیانات میں سے ایک اس جھگڑے کا حال ہے جو تواریخ کہتی ہے کہ یوسف زئیوں نے پہلی دفعہ پشتونخوا زیریں میں (پاکستان میں موجودہ صوبہ پشتونخوا کو کوزہ پشتونخوا کہا جاتا ہے، مترجم) رہائش کی جگہ حاصل کرنے کیلئے دلزاکوں سے لڑی تھی اور خود تواریخ کے مطابق بابر کے بعض قریبی سردار بھی اسی میں شریک تھے تواریخ میں اس جھگڑے کا حال تفصیلاً بیان ہوا ہے جن میں بعض اہم اقتباسات درج ذیل ہیں۔

''............ملک سرخابی بن شموکرلانی اس وقت ایک نامور سردار تھا اور محمد بابر بادشاہ کے نزدیک زیادہ قابل اعتبار تھا اور ملک گھگڑ مہمند بھی اسی طرح کا ایک سردار اور بہادر تھا۔ ملک سرخابی اور ملک گھگڑ ....اپنے تمام لشکر سمیت حملہ آور ہوئے [دلزاکوں کے سردار] ملک ہیو اور اس کے بھائی جہان شاہ دونوں گر پڑے اور دلزاکوں کے لشکر کو شکست ہوئی..........ملک سرخابی اور ملک گھگڑ یوسف زئی نے خلیلوں سے کہا کہ فتح ہم نے تیرے لئے حاصل کی''۔(27)

تواریخ میں یوسف زئیوں اور دلزاکیوں کی پہلی جنگ کے بارے میں تفصیلات اور یہ نکتہ کہ یوسف زئی اپنے سرداروں کے قتل عام کے بعد ''تباہ و برباد اور حیران و پریشان اپنے خاندانوں کے ساتھ ....زیریں پشاور روانہ ہوئے.........''۔(28) اور تعداد بھی

اتنی قلیل تھی کہ تاریخ کہتی ہے کہ خیبر میں سب ''ایک درخت کے سائے میں سما گئے''۔(29)
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یوسف زئیوں کو کابل میں بابر کی حکمرانی کے وقت پشتونخوا زیریں (کوزہ پشتونخوا پاکستان میں موجودہ صوبہ پشتونخوا کا نام ہے) کی بالکل ایک نئی، چھوٹی اور کمزور مہاجر قوم ہونی چاہئے۔ لیکن جو بیانات اس سلسلے میں بابرنامہ میں آئے ہیں وہ یہ بتاتے ہیں کہ یوسف زئی حتیٰ کہ بابر کی سلطنت کی ابتداء میں پشتونخوا زیریں میں ایک گنجان آباد، بہادر اور بہت آباد قوم تھی۔ بابر کابل پر قبضہ کرنے کے چند ماہ بعد 1505ء کی جنوری میں کوہاٹ پر حملہ کرتا ہے اور دو دن تک وہاں ٹھہرتا ہے۔ جب وہ کوہاٹ میں اپنے قیام کے بارے میں لکھتے ہیں ''کوہاٹ میں دریا خان ولد یار حسین......... نے گزارش کی کہ دلزاکوں، یوسف زئیوں اور گگیانیوں کیلئے ایک شاہی فرمان دوں کیونکہ جب میں (دریا خان) کبھی چاہوں کہ اباسین کے دوری پار (مغربی کنارے) بادشاہ [بابر] کیلئے جنگی سپاہ اکٹھے کرنا چاہوں تو وہ حکم عدولی نہ کریں''۔(30)

بابرنامے کے اس تذکرے سے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ کابل میں بابر کی بادشاہت کے بالکل شروع میں یوسف زئی دلزاکوں کی طرح اباسین کے مغربی کنارے کا ایک معروف اور بڑی قوم ہے، اگر ایسا نہ ہوتا نہ تو دریا خان ان کی مدد کا محتاج ہوتا اور نہ ہی بابر سے یہ گزارش کرتا۔ 1519ء میں یوسف زئی پشتونخوا زیریں کے ایک ایسے مضبوط اور صاحب حیثیت لوگ ہیں کہ بابر ان کی مدد حاصل کرنے کی خاطر ان سے رشتہ استوار کر لیتے ہیں۔ بابر اس سلسلے میں خود اس طرح لکھتے ہیں۔
''اس مقصد کیلئے کہ یوسف زئیوں کو قریب کرلوں تو ملک شاہ منصور کی بیٹی اس وقت مانگی جب قوم یوسف زئی کے قاصد کی حیثیت سے میرے حضور حاضر ہوئے تھے۔ ملک شاہ منصور ملک سلیمان شاہ کا بیٹا اور میرا ہمدرد تھا''۔(31)

اس کے علاوہ جو ملاقاتیں بابر نے مختلف مواقعوں پر کابل اور پشتونخوا زیریں میں یوسف زئیوں کے سرداروں سے کیں اور جو تحائف اور ضیافتیں ان کی خدمت میں پیش

کیں۔(32)وہ اس بات کی عکاسی کرتی ہیں کہ بابر یوسف زئیوں کو پشتونخوا زیریں کی ایک اہم اور مضبوط قوم سمجھتے ہیں۔ بابر جب سے اور سوات کا نام لیتے ہیں تو حسب معمول یوسف زئی بھی یاد کرتے ہیں اور ان علاقوں کی ایک مسلط قوم سمجھتا ہے۔ بابر کے تذکروں سے یہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ کابل میں اس کے بادشاہت کے دور میں یوسف زئی باجوڑ اور سوات کی ایک بالکل آباد قوم ہے۔

بابر ایک جگہ لکھتے ہیں کہ یوسف زئی سرداروں کے ساتھ اس بات پر اتفاق کیا کہ...... باجوڑ اور سوات کے افغان کاشتکار [ہمارے] عائدات میں چھ ہزار بار [کا مطلب ایک مخصوص قسم کا وزن ہے] چاول کا اضافہ کریں گے"۔(33)

بابر نامے کے ان بیانات اور بعض دیگر ان تذکروں کی بنیاد پر جو قارئین خود اس کتاب کے ساتویں باب میں پڑھ سکتے ہیں، یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یوسف زئی کابل میں بابر کے دور حکومت میں پشتونخوا زیریں کی ایک چھوٹی اور لاچار قوم نہیں ہے۔ بلکہ ایک گنجان آباد، بہادر اور آباد قوم ہے جو پشتونخوا زیریں کے علاقوں سمہ اور سوات اور بعض دیگر علاقوں میں ایک مسلط قوم ہے البتہ اگر یوسف زئی جیسا کہ تواریخ کہتی ہے کابل میں بابر کی حکمرانی تک پہنچنے سے کچھ قبل "بالکل لاچار اور پریشان" پشاور گئے ہوں اور تعداد بھی قلیل ہو تو بابر قطعاً اتنی توجہ نہیں دیتا۔

اس قسم کے اور شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یوسف زئیوں کا اس طرح کی ایک عام ہجرت اور اسے مربوط۔ پس و پیش حوادث، جنگیں اور ملک گیری اس شکل میں جو تواریخ حافظ رحمت خانی بتاتی ہے واقع نہیں ہوئے ہیں یا اس وقت سے جو تواریخ میں بتائے گئے ہیں بہت پہلے واقع ہوئے ہوں اور یا اسی دور میں فقط ایک کم تعداد یوسف زئی پشتونخوا زیریں اپنے ان عزیز و اقارب کے پاس گئے ہوں جو پہلے سے ہی پشتونخوا زیریں میں آباد تھے۔

خود تواریخ رحمت خانی بھی سوات میں یوسف زئیوں کی سکونت اور اسی طرح اس ملک کو یوسف زئیوں کی ہجرت کے واقعے کو بہت قدیم بنیاد فراہم کرتا ہے اور ایک جگہ سوات

کے مقامی اور قدیم باسیوں ''متراوؤ'' کی زبانی کہتی ہے کہ وہ بنیادی طور پر خود کو یوسف زئی کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہت قدیم زمانے میں کندھار سے سوات بھجوائے گئے ہیں۔ تواریخ لکھتی ہے

''متراوی سواتیوں میں ایک بڑا طائفہ ہے اور متراوٗں کے مورخین انساب اس طرح کہتے ہیں کہ ہم ذات کے یوسف زئی ہیں البتہ اس وجہ سے یہاں آئے ہیں کہ ہمارے آباوٗ اجداد یوسف زئی تھے۔ کندھار کی حدود گاڑی اور نشکی سے ایک حادثے کے سبب یہاں آئے ہیں یہاں آباد ہوئے اور ہم ان کی اولاد ہیں''۔ (34)

جیسا کہ اس بحث میں دیکھا گیا کہ اخوند درویزہ بھی کہتے ہیں کہ پشتون سلطان محمود غزنوی کے دور میں سوات میں آباد ہوئے ہیں اس طرح بعض دیگر مؤلفین بھی کہتے ہیں کہ پشتون غزنویوں اور غوریوں کے دور میں اور حتیٰ کہ اس سے قبل پشتونخوا زیریں میں آباد ہوئے ہیں۔

یہاں تک بحث کرنے کے نتیجے میں پورے وثوق کے ساتھ تو کہا جا سکتا ہے کہ یوسف زئیوں کی ہجرت کا زمانہ اور تاریخ قابل اعتبار معلوم نہیں ہوتی۔

بابر نامہ اور تواریخ حافظ رحمت خانی کا موازنہ یہ بتاتا ہے کہ تواریخ میں یوسف زئیوں کی ہجرت کی روایت کے علاوہ بعض دیگر ایسے بیانات بھی ہیں جن کو تسلیم کرنا مشکل امر ہے۔

تواریخ میں کئی ایسی جنگوں کا حال نہایت خوبصورتی سے بیان ہوا ہے کہ گویا ان میں سے بابر کے بعض معروف سرداروں نے اور حتیٰ کہ خود بابر نے بھی شرکت کی ہو۔

ان جنگوں میں سے ایک پشتونخوا زیریں میں یوسف زئیوں کی ملک گیری کی پہلی جنگ ہے جو دلزاکوں سے لڑی تھی اور ہم نے پہلے اختصار کے ساتھ اس کا ذکر کیا تواریخ لکھتی ہے کہ اس جنگ میں بابر کے دو نامور سرداروں نے شرکت کی تھی اور حتیٰ کہ یہ جنگ انہی دو نے یوسف زئیوں کیلئے جیتی۔

ایک اور لڑائی وہ ہے جو تواریخ کہتی ہے کہ بابر نے گگیانیوں کی دعوت پر کالا پانی میں دلزاکوں سے لڑی تھی اور بے شمار دلزاکوں کا قتل عام کیا تھا تواریخ اس سلسلے میں لکھتی ہے کہ گگیانیوں کا ایک سردار ملک ہمزہ دوآبہ سے کابل گیا اور بابر کو اپنے گھر پشتونخوا زیریں جو دوآبہ میں تھا ساتھ لے گیا بابر نے وہاں سے کالا پانی کے عمر خیل دلزاکوں پر حملہ کیا۔ تواریخ نے اس سلسلے میں خوبصورت تفصیلات بیان کی ہیں لیکن ہم صرف چند اقتباس نقل کرتے ہیں۔

''ملک ہمزہ کابل گیا بابر بادشاہ کی ملازمت حاصل کی اور .... ہمدردی سے ملک گیری کے واسطے اس کو پشاور ساتھ روانہ کیا چند دن میں گھر دوآبہ پہنچا دیا بادشاہ تمام سپاہ کے ساتھ رات کالا پانی کیلئے نکلے۔ حملہ کیا.......... تمام دن عصر تک جنگ ہوئی۔ متصل گاؤں جن کو بادشاہ گیا سارے قتل ہوئے........ اس کے بعد بادشاہ دوسرے گاؤں کی طرف متوجہ ہوئے اور لشکر بھی اسی طرح بادشاہ کے پیچھے گیا ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے دلزاکوں نے بھی کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا [اگرچہ] پوری دن جنگ کی تھی اور تمام لوگ تیر سے چور چور تھے البتہ اپنی جگہ سے ہلے بھی نہیں بالکل اسی جگہ قتل ہوئے اس کے بعد بادشاہ اس میں داخل ہوئے اور غارت گری کی''۔ (35)

اس کے بعد تواریخ بابر کی فوج کے ساتھ دلزاکوں کی ایک عورت کی لڑائی کا حال بیان کرتی ہے البتہ لڑائی پر بات کرنے سے پہلے اس عورت کے حالات زندگی پر کچھ بات کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ شاہ بوڑئی نامی عورت عبدالرزاق عمر خیل دلزاک کی بیٹی تھی جب وہ دوشیزہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو مردانہ فہم دیا اور اس نے مردانہ لباس پہنا ہمیشہ جوانوں کے ساتھ پھرتی تھی .... اچھے گھوڑے پر سواری کرتی .... تیر اندازی کرتی .... دلزاکوں کی سپاہ سالار تھی اور شادی نہیں کرتی تھی''۔ (36) بعد میں رستم نامی جوان جو دلزاک تھا اور اسے چھوا تھا سے شادی کی۔ تواریخ لکھتی ہے کہ جس دن بابر نے شابوڑی کے گاؤں پر حملہ کیا تو اس نے اپنے خاوند سے کہا کہ دونوں کو مغل کے خلاف جھگڑے کیلئے نکلنا چاہیئے۔ البتہ خاوند نے اس کی بات نہ مانی یہی تھا کہ شابوڑی نے اکیلے اپنے خاوند کے گھر

سے بابری فوج کے ساتھ مقابلے کا آغاز کیا۔ مغل جب قریب جاتے وہ کمان سے تیر برساتی اور ایک بھی تیر خالی نہیں گیا، بے شمار مغل قتل کئے آخر میں مغل نے اور فوج بلائی اور کہا کہ یہاں ایک بلا چھپی ہوئی ہے تمام لوگ برباد کئے اکٹھے ہو جاؤ۔ اس کے بعد چاروں طرف سے لوگ اکٹھے ہوئے .... اور ہر طرف سے اس پر تیر برسائے۔ زخموں سے نڈھال گر پڑی اس کے بعد لوگ گھر میں داخل ہوئے دیکھا کہ عورت تھی تو سارے لوگ حیران رہ گئے۔ اس حال کی اطلاع بابر بادشاہ کو دی بادشاہ نے فوراً لوگ بھجوائے کہ اس عورت کو کسی بھی صورت میں قتل نہیں کرنا بلکہ زندہ یہاں لایا جائے لیکن جب لوگ وہاں گئے تو وہ مر چکی تھی ...... بادشاہ کو جب شابوزی کی موت کی خبر ملی تو بہت رنجیدہ ہوا اور کہا کہ اس طرح کی عورت کو لوگ قتل نہیں کرتے زندہ لانا چاہیئے تھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ ایسی تیر چلاتی تھی کہ ذرہ سی بھی نہیں رکتی۔ ہم سمجھے کہ مرد ہے لہٰذا قتل ہوئی، بادشاہ اور سب لشکر نے اس کی تعریف کی اور داد دی، اس کے بعد جب بھی بادشاہ کے سامنے عمر خیل کا تذکرہ آیا تو بادشاہ عمر خیل کی شجاعت خصوصاً شاہ بوزی کی تعریف کرتے''۔ (37)

بابر ایک باریک بین اور حساس انسان تھا لہٰذا اپنی فوجی کاروائیوں کے ضمن میں پشتونخوا کے اونچے پہاڑوں، تیز اور شفاف دریاؤں، اونچی پہاڑیوں، خوبصورت وادیوں، اونچے درختوں، گہرے بادلوں، سفید برف باریوں، موسلا دھار بارشوں، قافلوں کے سلسلوں، مختلف قوموں اور ان کے سرداروں، قسم قسم کے پرندوں اور حتی کہ قاز کے پروں کی خوبصورتی اور بطخ کے انڈوں تک خود مشاہدہ کئے اور اپنے حملوں اور پشتون بہادروں اور سرداروں کے بیان بہت دفعہ شاعرانہ عبارات میں بابر نامے میں درج کئے ہیں۔ تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایسا ایک باریک بین انسان ایسی لڑائیوں کا ذکر نہ کرے جس میں نہ صرف نامور سرداروں نے شرکت کی ہو بلکہ اس نے خود حصہ لیا ہو اور شاہ بوزی کی بہادری قسم کے کارنامے بھی واقع ہوئے ہوں۔

یہاں ممکن ہو یہ فرض کیا جائے کہ گویا یہ جھگڑے ان دس سالوں میں واقع ہوئے

ہوں جن کے حالات بابر نامہ میں درج نہیں ہوئے ہیں البتہ خود تواریخ حافظ رحمت خانی کے واقعات بیان کے تسلسل کی وضاحت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دلزاکوں کے ساتھ بابر کے جھگڑے قلعہ باجوڑ میں بابر کی جنگی کاروائیوں اور باجوڑیوں کے قتل عام کے بعد یعنی اس وقت واقع ہوئے جب بابر کی یاداشتیں بابر نامہ میں درج ہوئی تھیں۔

مختصر یہ کہ نہ صرف یوسف زئیوں کی ہجرت کا زمانہ اور تاریخ کے بارے میں تواریخ حافظ رحمت خانی کی یہ روایت نا قابل قبول ہے بلکہ اسی کتاب کے اور بیان بھی قابل توقف ہیں۔

یوسف زئیوں کی ہجرت اور اس سے منسلک مسائل کے بارے میں ایک اور نکتہ بھی قابل توجہ ہے تواریخ حافظ رحمت خانی کا اصل یعنی ''تواریخ افاغنہ'' اور اخوند درویزہ کا تذکرۃ الابرار تقریباً ایک دور میں لکھے گئے ہیں۔لیکن جو بیانات یوسف زئیوں کی ہجرت اور مربوط مسائل کے بارے میں دونوں کتب میں موجود ہیں بنیادی مشترکہ نکات میں فرق ہیں اور جب دونوں ایک ہی واقعہ کا ذکر کرتے ہیں تو بہت سی باتیں ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں ہوتیں۔ یہاں چند نکات کا ذکر کیا جاتا ہے۔تذکرہ میں اس وقت کے بادشاہ کا نام ''میرزا قلی بیگ'' درج ہے جبکہ تواریخ میں' میرزا الغ بیگ' لکھا ہوا ہے۔

درویزہ کہتے ہیں کہ اس وقت کابل میں یوسف زئیوں کا بڑا سردار سلطان شاہ تھا اور ملک احمد کو سلطان شاہ کا بھتیجا کہتے ہیں لیکن تواریخ حافظ رحمت خانی کہتی ہے کہ اس وقت کابل میں یوسف زئیوں کے سب سے بڑا سردار ملک سلیمان شاہ تھا اور ملک احمد سلیمان شاہ کا بھتیجا اور سلطان شاہ کا بیٹا تھا۔

درویزہ کہتے ہیں کہ کابل کے یوسف زئی اپنے سرداروں کے قتل عام کے بعد لغمان بھیجے گئے اور وہاں لگیانیوں کے ساتھ رہنے لگے لیکن تواریخ کہتی ہے کہ یوسف زئی اپنے سرداروں کے قتل عام کے غمناک واقعے کے بعد خیبر کے راستے پشاور کوچ کر گئے اور وہاں دلزاکوں نے انہیں دوآبہ دیا اور وہ وہاں آباد ہوئے۔

درویزہ کہتے ہیں کہ کابل میں یوسف زئیوں کے نو سو افراد قتل ہوئے لیکن تواریخ ان سرداروں کی تعداد سات سو بتاتی ہے۔

تزکرہ اور تواریخ میں درج شدہ واقعات اور دیگر یاداشتیں بھی ایک دوسرے سے مترادف نہیں ہیں چونکہ یہاں ہمارا موضوع ان دو کتابوں کا تنقیدی جائزہ لینا نہیں ہے اور اس بارے میں اور بحث ہمیں اصلی موضوع سے دور کرتی ہے۔ لہذا مزید اس بارے میں بحث نہیں کرتے اور دوبارہ اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں اور پشتونوں کی ہجرت کے بارے میں ان مباحث کا چیدہ چیدہ نکات کا ایک مرتبہ پھر ذکر کرتے ہیں جن پر پہلے تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔

جب ہجرتوں پر پہلے بحث کی ان میں سیفی کے تاریخ نامہ کی ہجرت سب سے پہلے درج ہوئی ہے۔ یہ ہجرت مشرق سے مغرب کی طرف ہوئی اور جو لوگ اس ہجرت کے ضمن میں بھیجے گئے وہ قدیم قندھار یا گندھارا کے علاقوں سے ہرات کے علاقوں تک گئے ہیں یہ لوگ آباد اور میدانی علاقے سے دوسرے آباد اور میدانی علاقوں میں گئے ہیں۔

جس ہجرت کا ذکر بیلو نے کیا ہے اور اسلامی دائرۃ المعارف نے بھی اس کی تائید کی ہے وہ بھی مشرق سے مغرب کی طرف اور ایک آباد علاقے سے دوسرے یا خاص کر قدیم قندھار کے علاقے سے موجودہ قندھار کی طرف ہوئی ہے یہ دونوں ہجرتیں قبل از اسلام ہوئی ہیں۔

فرشتہ کہتے ہیں کہ افغان 63ھ میں اپنے پہاڑوں سے مشرق کی طرف گئے اور پشاور اور روہ کے علاقوں میں آباد ہوئے ہیں اور حافظ رحمت خانی کہتے ہیں کہ پشتون کوہ سلیمان سے آباد علاقوں کی طرف گئے ہیں البتہ ایک کہتے ہیں کہ یہ ہجرت پہلی ہجری صدی کے نصف (63ھ) میں ہوئی ہے اور دوسرے کا خیال ہے کہ یہ ہجرت سلطان محمود غزنوی کے دور سے کچھ پہلے ہوئی ہے۔

نعمت اللہ ھروی کہتے ہیں کہ پشتون اپنے اصل وطن غور سے مشرق کی طرف بھیجے

گئے اور ہرات سے ملتان اور کابل کے گردونواح سے دریائے نیلاب کی حدود تک پھیل گئے وہ کہتے ہیں کہ یہ کام سلطان شہاب الدین غوری کے زمانے میں ہوا ہے۔

فرشتہ کہتے ہیں کہ شیخ حمید لودھی الپتگین کی حکمرانی کے دور میں پشتونوں کو لغمان اور ملتان کے علاقوں کو بھیجے اور وہاں آباد کئے۔

تواریخ حافظ رحمت خانی بھی کہتے ہیں کہ پشتون کندھار کے علاقے سے پہلے قلات، غزنی اور کابل بھیجے گئے اور پھر چودہویں عیسوی صدی کے آخری سالوں میں پشتونخوا زیریں کے پشاور، سوات، باجوڑ اور بعض اور علاقوں کو بھیجے گئے اور وہاں آباد ہوئے۔

اخون درویزہ اور حافظ رحمت خانی کہتے ہیں کہ پشتون سلطان محمود کی فوج کے ساتھ کابل اور ملتان کے راستوں سے ہندوستان گئے اور بہت سے وہاں آباد ہو گئے۔

ان تمام یاداشتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پشتون مختلف اوقات میں مختلف جگہوں سے مختلف علاقوں کو بھیجے گئے ہیں لیکن حسب معمول بہت سے غیر افغان لکھاریوں اور ان کی تقلید میں مجھ سمیت بہت سے افغانی لکھاریوں نے یہ بات کہی ہے کہ گویا پشتون پشتونخوا کے ایک مخصوص اور محدود پہاڑی علاقے میں، چودہویں اور پندرویں صدی کے بعد سے اس سر زمین کے اور علاقوں کو بھیجے گئے ہیں لیکن یہ بات ان بیانات سے مطابقت نہیں رکھتی جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔

ماخذات و حوالہ جات

(1) بیلو ہنری طوائف افغانستان صفحہ: 61

(2) اسلامی دائرہ المعارف جلد دوم صفحہ: 711

(3) بیلو طوائف افغانستان صفحہ:22

(4) بیلو قوم شناسی کا مطالعہ صفحہ:71

(5) کیرو اولف صفحہ:170-171

(6) ایضاً صفحہ: 170

(7) سیفی کا مطلب ضرور قدیم گندھارا ہے جو قدیم عربی اور فارسی آثار میں قندھار کی شکل میں لکھا گیا ہے اس لئے سیفی لکھتے ہیں کہ یہ مہاجر اپنے اصل وطن سے پہلے کابل پھر غور اور پھر ہرات گئے اور اس بات کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت کابل کے مشرقی علاقوں یا قدیم گندھارا سے ہونا چاہئے اگر اس طرح نہیں ہے اور ہجرت موجودہ کندھار یا قندھار سے ہرات کو ہوئی ہے تو اس کے خدوخال یکسر مختلف ہوتے۔

(8) یہ قندوز موجودہ قندز نہیں ہے بلکہ ضرور ہرات کے آس پاس کوئی دوسری جگہ ہے۔

(9) فرشتہ محمد قاسم تاریخ فرشتہ۔ ترجمہ برگز جلد 1، صفحہ:4

(10) راورٹی ایشیائی سوسائٹی آف بنگال کے میگزین صفحہ: 564-565 نمبر 6 سال 1854

(11) ھروی نعمت اللہ تاریخ خان جہانی ومخزن افغانی جلد نمبر 1 صفحہ 119-120

(12) پشتونخوا ازیریں (کوزہ پشتونخوا) اور ہند کے پشتون افغانستان کو ولایت کے نام پکارتے تھے۔ خوشحال خان خٹک نے اس قصیدے میں جو انہوں نے دہلی کے بادشاہوں کے تعارف میں کہی ہے وہ کہتے ہیں۔

پھر سلطان جلال الدین تخت نشین ہوا

جو دراصل ولایت کے خلجی ہے

(13) حافظ رحمت خان، حافظ خلاصۃ الانساب صفحہ:78-79

(14) تاریخ فرشتہ ترجمہ برگز جلد:1 صفحہ: 5-6

(15) درویزہ۔ اخوند تذکرہ الابرار والاشرار صفحہ:86

(16) تذکرہ میں یہ لفظ پہلے 'شخی' اور بعد میں 'شخی' درج ہے۔ تواریخ حافظ رحمت خانی میں شروع سے آخر تک 'شخی' ہے۔

(17) درویزہ، تذکرہ صفحہ: 89-96

(18) معظم شاہ پیر تواریخ حافظ رحمت خانی صفحہ:5

(19) ایضاً صفحہ: 26

(20) ایضاً صفحہ: 30

(21) ایضاً صفحہ: 185

(22) ایضاً صفحہ: 35

(23) ایضاً صفحہ: 108

(24) ایضاً صفحہ: 109-108

(25) ایضاً صفحہ: 133-132

(26) ایضاً صفحہ: 81

(27) ایضاً صفحہ: 38-36

(28) ایضاً صفحہ: 29

(29) ایضاً صفحہ: 30

(30) بابر ظہیر الدین، بابرنامہ، صفحہ:231

(31) ایضاً صفحہ: 375

(32) ایضاً صفحہ: 400

(33) ایضاً صفحہ: 400-399

(34) معظم شاہ۔ تواریخ۔ صفحہ:73

(35) ایضاً صفحہ: 115-111

(36) ایضاً صفحہ: 116

(37) ایضاً صفحہ: 119-116

باب نمبر 6

ایک تجزیاتی تبصرہ

چوتھے اور پانچویں باب میں یادشدہ بعض اسناد، ثبوت اور بعض یاداشتیں جو اس باب میں زیر بحث آئیں گی بذات خود پشتونخوا میں پشتونوں کی معاشرتی زندگی کے اس تاریخی دور کی کئی حوادث اور خصوصیات کا بیان اور اظہار ہے جو عموماً چوتھی ہجری صدی سے لیکر دسویں ہجری صدی تک ہیں۔ اگرچہ ان اسناد اور ثبوتوں میں بیان شدہ حوادث اور واقعات پشتون معاشرے کے اس طویل دور کے معاشرتی واقعات کے گہرے سمندر میں قطرے کے برابر ہیں اور اس طرح کے معمولی اسناد اور ثبوتوں کی بناء پر ایک تاریخی دور کے واقعات کے سیر حاصل نتائج اور خصوصیات کے اظہار کے بارے میں کوئی وسیع اصولی اور ہمہ جہتی تجزیاتی تحقیق نہیں ہوسکتی۔ لیکن ہم جو تیار ہیں وہ حاضر ہیں، کے مصداق انہی محدود مواد کی بنیاد پر پشتون معاشرے کے اس تاریخی دور کے بارے میں ایک معمولی تبصرہ جائز سمجھتے ہیں اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ ''غسل دینا میرا کام اور بخشش کروانا بذمہ مُلا ہے''۔

موجودہ پشتون معاشرے کے اقتصادی اور معاشرتی زندگی کے خدوخال اور قدیم تاریخی تحریری اسناد سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں پشتونوں کی بہت بڑی اکثریت خانہ بدوش اور گلہ بان ہیں، لیکن دیہاتی اور شہری زندگی کی بھی عروج ہوئی ہے اور زراعت کی طرف بھی متوجہ ہوئے ہیں۔ چوتھے باب میں اس پر بحث کی کہ غزنوی دور کے معروف مورخ ان جھگڑوں کے بیان کے ضمن میں جو سلطان محمود غزنوی کے والد سبکتگین نے کابل کے مشرقی علاقوں سے لیکر پشاور کے مضافاتی علاقوں تک ہندو بادشاہوں سے لڑے ہیں، کہتے ہیں کہ افغان ان علاقوں کے خانہ بدوش ہیں۔ البتہ چوتھے باب کی بعض اور اسناد سے یہ معلوم ہوتا

ہے کہ پشتون اسی دور میں دیہاتوں اور شہروں میں آباد ہیں۔

حدود العالم (تالف 372ھ) سب سے قدیم معلوم کتاب ہے جو ایک گاؤں کے باسی افغان سمجھتے ہیں یہی کتاب جو چوتھی اسلامی صدی کے دوسرے نصف میں لکھی گئی ہے، میں درج ہے کہ سول ایک آباد گاؤں ہے جس کے باسی افغان ہیں..............(1)

ابن اثیر بھی 409ھ کے واقعات کے بیان کے ضمن میں کہتے ہیں کہ سلطان محمود نے افغانوں کے مکانات تباہ کیئے۔(2) ایک اور جگہ مؤلف 508ھ کے واقعات کے بیان کے دور میں پشتونوں کو شہروں کے باشندے کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہرام شاہ غزنوی اور سلطان سنجر کی سپاہ ارسلان شاہ غزنوی کو مارنے کی غرض افغانوں کے شہر گئے اور تباہ کیئے۔(3)

ابن اثیر اور بعض مورخین کے بیانات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پشتونوں کے یہ شہر پکتیا، وزیرستان، بنوں اور کوہاٹ کے علاقوں میں واقع تھے۔ ابن اثیر خود اس سلسلے میں کڑمان (4) کا نام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بہرام شاہ کرمان جس کے باسی افغان ہیں کو بھاگ گیا وہ کہتے ہیں کہ یہ شہر غزنی اور ہند کے درمیان واقع ہے اور وہ کرمان کے نام سے مشہور ولایت نہیں ہے۔(5)۔

فرشتہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کرمان [کڑمان] جس کو بہرام شاہ بھاگ گیا وہ مشہور کرمان نہیں ہے بلکہ غزنی اور ہند کے مابین ایک شہر ہے۔(6) ابوالفرج رونی کے اس شعر سے جن پر چوتھے باب میں بحث ہوئی اور تاریخ فرشتہ میں وبھند کے جھگڑے سے متعلق جو کچھ درج ہے اور چوتھے باب میں اس پر بحث ہوئی ہے جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غزنوی عصر میں اباسین کے کنارے بھی پشتون شہروں اور آبادیوں میں آباد تھے یہ تمام مطالب اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ زمانہ قدیم سے پشتون خانہ بدوشانہ زندگی کے ساتھ دیہاتی اور شہری زندگی بھی گزارتے تھے۔ چوتھے باب میں ذکر شدہ اسناد سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس تاریخی مرحلے میں افغانستان میں گلہ بانی کے ساتھ زراعت نے بھی کافی ترقی کی تھی، سیفی

ھروی کے تاریخ نامہ ھرات میں اس کے متعلق بھی ایک اقتباس درج ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

635ھ میں ھرات میں زراعت کا طریقہ یہ تھا کہ دو افراد ہل جوتنے کے جوئے کو اپنے کندھوں پر اٹھاتے اور تیسرا فرد اس کا دستہ پکڑتا، اس طرح زمین میں ہل چلاتے اور پھر بیج چھڑکتے۔ اس سال جب کپاس کی فصل لی گئی کچھ مقدار افغانستان بھجوائی 'افغانستان' میں زرعی ادویات اس کے بدلے خریدیں اور ھرات لے گئے۔ (7)

سیفی کی اس یاداشت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ساتویں ہجری صدی کے پہلے نصف میں 'افغانستان' میں زرعی آلات اتنے زیادہ اور اچھے ہیں کہ جنس کے بدلے جنس کی اصلاح نے علاقے کی سطح پر رواج پائی ہے، اس دور کے افغانستان میں زراعتی برآمدی وسائل کی پیداوار کا اندازہ اس علاقے کے حکمرانوں اور سرداروں کے مالیاتی زرعی زمینوں کی وسعت سے لگایا جا سکتا ہے، مثلاً سیفی کہتے ہیں اس مالیاتی علاقے کی وسعت جن کا منافع 'افغانستان' کی حکومت کے بڑے شہنشاہ کے داماد میرانشاہ اور اس کے بھائی حاصل کرتا تھا، پچاس فرسنگ تھا۔ (8) اس طرح جن خوراکی مواد کے ذخائر جو سیفی دور کے افغانستان کی بڑی بڑی چھاؤنیوں میں جمع کر دیئے گئے تھے وہ زراعتی امور کی ترقی کی دلیل ہے۔

قلعہ خاسک میں جو افغانستان کے دارالملک مستونگ کے قریب واقع ہے بقول سیفی کے اس میں اتنا بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے جو 652ھ میں مستونگ پر ملک شمس الدین کُرت کے حملے کے وقت ملک شہنشاہ پانچ ہزار جنگی سپاہیوں اور دیگر متعلقہ افراد سمیت پناہ لیتے ہیں اور ساڑھے تین مہینے محاصرے میں رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ ذخیرہ ختم نہیں ہوتا۔ (9)

جب ملک شمس الدین افغانستان کے ایک اور قلعے یعنی تیری پر حملہ کرتا ہے وہاں افغانستان کے ایک اور مقتدر سردار المار دو ہزار جنگی سپاہیوں اور اپنے لوگوں کے ساتھ پورے دو مہینے قلعے کے اندر گزارتا ہے لیکن قلعے کے ذخائر میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ (10)

افغان شعیب 654ھ میں قلعہ کھیرا میں تقریباً ڈیڑھ ماہ محاصرے میں رہتا ہے لیکن اس کے باوجود قلعے کے ذخائر ختم نہیں ہوتے۔(11)

اسی طرح سندان قلعہ دوکی میں تقریباً دو ہزار جنگی سپاہیوں اور دیگر افراد کے ساتھ تقریباً ایک مہینہ تک زیر محاصرہ رہتا ہے لیکن اس کی عمر بھر ذخیرہ جو قلعہ دوکی میں موجود ہے ختم نہیں ہوتا۔(12)

افغانستان کے ایک اور بکر نامی قلعے میں اتنی بڑی مقدار میں غلہ اور اناج موجود ہے کہ دو ہفتے محاصرے کے بعد بھی دس خروار ملک شمس الدین کُرت کو بطور تحفہ دیئے جاتے ہیں۔(13)

جو اقتباس سیفی نے اس بڑے باغ کے بارے میں درج کیا ہے جس میں میرانشاہ اور اس کے بیٹے سالار نے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ 658ء میں شراب نوشی کا جشن منایا تھا۔(14) اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس وقت افغانستان میں نارمل زرعی زمینوں کے ساتھ بڑی بڑی فصیلوں سے گھیرے ہوئے باغ بھی ہیں۔ افغانستان کے ان بڑے قلعوں، چھاؤنیوں اور حکومتی تشکیلات اور بڑے بڑے سرداروں کی موجودگی جن کا تاریخ نامہ میں ذکر ہوا ہے اور اس کتاب کے چوتھے باب میں بھی اس پر بحث کی گئی ہے کے لئے اتنی بڑی مقدار میں اضافی پیداوار کی ضرورت ہے جو کہ زراعت کی کافی پیداوار کے بغیر ممکن نہیں۔ سیفی یہ بھی لکھتے ہیں کہ ملک شہنشاہ نے ہزار دینار ملک شمس الدین کُرت کے مغل قاصد جاہو کے لئے قربان کئے۔(15) والی بکر نے دس ہزار دینار ملک شمس الدین کرت کو تحفتاً دیئے۔(16) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیفی دور کے افغانستان میں کرنسی کا بھی رواج تھا۔

تاریخ نامہ کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ سیفی دور کے افغانستان کا اپنا ایک ایسا دولتی ڈھانچہ اور ایسی حکومت بھی ہے جس نے چنگیزیوں کا تسلط قبول نہیں کیا ہے۔ اس حکومت کے سربراہ ملک شہنشاہ ایک جرگے کے سامنے اس بارے میں کہتے ہیں کہ ''ہم نے ابھی تک نہ چنگیز خانوں کو ٹیکس دیا ہے اور نہ ہی اس کے بعد دیں گے۔(17)

چنگیزیوں کے تسلط کے بارے میں حتیٰ کہ افغانستان کا مقامی سردار سندان بھی کہتے ہیں کہ ''میرے اباؤ اجداد نے کسی سلطان کے دور میں مغل کی خدمت کی ہے اور نہ کفار کے ٹیکس کے سامنے سر تسلیم خم کی ہے''۔(18)

افغانستان کی حکومت کے سربراہ ملک شہنشاہ ''فخر الدولہ والدین'' کے لقب سے یاد کئے گئے ہیں اور اس کا دارلملک مستونگ ہے۔شہنشاہ کے لقب کا خیال ان مکاتب میں رکھا گیا ہے جو دوسرے حکمرانوں نے اس کو بھیجے ہیں۔اس مکتوب میں جو ملک شمس الدین کرت نے 650ھ میں مغل حکمرانوں کے ایک بڑے افیسر کے ہاتھوں ملک شہنشاہ کو بھیجا ہے،اس میں اس طرح درج ہے۔

''افغانستان کے عظیم ملوک فخر الدولہ والدین ملک شہنشاہ اور ملک میرانشاہ اور ملک بہرام شاہ .....اور رانا کنجر کو یہ سمجھ لینا چاہئے''۔(19)

اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود شہنشاہ کو ''فخر الدولہ والدین'' اور اس کے خاندان کے دیگر افراد ملک کے خطاب سے پکارے جاتے تھے،تاریخ نامے کا متن یہ بھی بتاتا ہے کہ حکومت کا اپنا فوجی،اداری اور تشریفائی ہیئت ہے اور سیفی مجموعی طور پر'' حکومتی اراکین'' کو الگ الگ نواب۔حاجی اور سپہ سالار گردانتا ہے سیفی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ'' ملک شہنشاہ نے اپنے نوابوں، حاجیوں اور اپنے لشکر کے سپہ سالاروں کو جاہو کے استقبال کیلئے بھیجے.......... اگلے دن ملک شہنشاہ اپنی حکومت کے جملہ اراکین کے ساتھ جاہو سے ملاقات کے لئے اس کے پاس گئے''....(20)

تاریخ نامے کے متن سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت مستونگ کے پاس ہزاروں منظم جنگی سپاہ بھی تھے۔سیفی چھاؤنی خاسک کے واقعات کے ضمن میں لکھتے ہیں ''ملک شہنشاہ .... پانچ ہزار جنگی سپاہیوں کے ساتھ چھاؤنی خاسک میں پناہ کیلئے گئے تھے۔(21) جب ملک تاج الدین حکومت مستونگ کے امور کا کنٹرول خود سنبھالتا ہے،سیفی کہتے ہیں کہ ''اتنی ہی قلیل مدت میں تقریباً دس ہزار افغان جنگی سپاہ اکٹھے کرتے

ہیں''۔(22)

تاریخ نامے کے متن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حکومت مستونگ کے پاس اتنی ہی اونچی اور پکی چھاؤنیاں ہیں، چھاؤنی خاسک جو مستونگ سے باہر واقع ہے اتنی مضبوط ہے کہ ملک شمس الدین اپنے تمام تر حربی قوت کے ساتھ ساڑھے تین مہینے تک اس پر قبضہ نہیں کر سکتا۔(23)

تاریخ نامے کے بعض تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ 'افغانستان' کے بعض تعمیراتی امور میں لوہے سے بھی کام لیا گیا ہے۔مثلاً قلعہ ساجی کے بارے میں کہتے ہیں جیسا کہ اس قلعے کا گیٹ لوہے سے بنا تھا لہٰذا ملک شمس الدین کی فوج دو دن تک توڑنے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔(24)

تاریخ نامے اور روضات الجنات کے بعض تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ 'افغانستان' کے حکومتی اور قومی سربراہان اور خوانین کے پاس بہت سے غلام بھی ہیں اور بعض شہروں سے تاجر دوسرے علاقوں تک لے جاتے ہیں۔حکومت مستونگ کے سربراہ ملک شہنشاہ تیس غلام ملک شمس الدین کرت کو تحفتاً بھجواتے ہیں۔(25) المار ملک شمس الدین کے ساتھ اس بات پر راضی ہوتا ہے کہ وہ سالانہ بیس غلام بطور خراج دے گا، ملک شمس الدین کے جنگی سپاہ اور سربراہ سندان کے زیادہ تعداد میں غلام جو تاریخ نامہ میں غلمان درج ہیں کو گرفتار کرتے ہیں۔۔۔(26) والئ قلعہ بکر پچاس غلام ملک شمس الدین کو بخشتا ہے اور میرانشاہ پانچ غلام ملک شمس الدین کرت کے ایک جنرل محمد نہی کو دیتے ہیں۔(27)

زمچی اسفزاری ساتویں ہجری صدی کے بعد بھی کندھار شہر اور اس سے ملحقہ علاقوں اور ولایت کے خدوخال کو ظاہر کرنے کے ضمن میں یہ شہر ایک اہم بندر اور غلاموں کی ایک مارکیٹ کے طور پر دکھاتے ہیں اور لکھتے ہیں ''کندھار ولایت کے باسی افغان ہیں اور یہاں سے غلام ہرات لے جاتے ہیں''۔(28)

تاریخ نامہ کے اقتباسات پشتون معاشرے کے اس دور کے معاشرتی روابط پر

بھی کچھ روشنی ڈالتا ہے۔سیفی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ''بنی کاؤ سے سات فرسنگ دور.........
افغانوں کا ایک قبیلہ تھا جس کے پاس تقریباً دو ہزار سپاہ تھے اور اس کے سربراہ کا نام ہرمزتری
تھا''۔(29)

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیفی کے دور میں بھی پشتون مختلف قبائل میں تقسیم
اور بعض قبائل کے افراد کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔چونکہ جیسا کہ ایک ہی جگہ میں ایک قبیلے
کے جنگی سپاہیوں کی تعداد دو ہزار تک پہنچتی ہے تو یقین کامل ہے کہ اس قبیلے کے افراد کی تعداد
ہزاروں تک ہوگی، سیفی اس قبیلے کا نام نہیں لیتے ہیں البتہ اس قبیلے کے سربراہ کا نام ہرمزتری
بتاتے ہیں۔جیسا کہ یہاں سیفی ایک ایسے علاقے کے بارے میں بحث کرتے ہیں جس میں
زمانہ قدیم سے'ترین' پشتون آباد ہیں۔لہٰذا یقین کامل سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ ترینوں کی ایک
شاخ ہوگی اور سربراہ ہرمزترین ہے البتہ تاریخ نامہ کے مؤلف یا غالب امکان ہے کہ کسی
کاتب نے غلطی سے لفظ''ترین''' تری' لکھا ہوا اور اس قسم کی غلطیاں قلمی نسخوں میں بے شمار
ہوتے ہیں۔ہمارے اس خیال کو ایک اور سند بھی تقویت پہنچاتی ہے یہ سند وہ کتبہ ہے جو سیفی
ہروی کے دور (770ھ) میں لکھا گیا ہے۔اور تیسرے باب میں اس پر بحث ہوئی ہے، اس
کتبے میں جو ڈیرہ غازی خان کے بارکھان کے علاقے کی ایک مسجد کی دیوار پر لکھا گیا ہے اس
پر نہ صرف یہ کہ ترین قبیلے کا نام واضح طور پر درج ہے بلکہ اس میں تور اور سپین ترین کے درمیان
فرق بھی روا رکھا گیا ہے اور تورترین کی ایک شاخ یعنی'موسیانی خیل' کا ذکر بھی ہوا ہے یہ کتبہ
جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے بنیادی طور پر فارسی میں ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے''یہ ملک
یو یا تورترین موسیانی خیل کی مسجد فیروز شاہ کے دور میں 770ھ میں آباد ہوئی''۔(30)

ان مختصر اقتباسات کے نتیجے میں یقین کامل سے کہا جاسکتا ہے کہ سیفی کے دور میں
کئی پشتون قبائل اور ان کی شاخ انہی موجودہ ناموں سے موسوم تھے۔ایک اور جگہ سیفی
''شعیب افغان'' اور''سندان افغان'' کے ساتھ ملک شمس الدین کرت کے جھگڑوں پر بحث
کرتے ہیں، لکھتے ہیں کہ''قلعہ کھیرا کو برباد کیا اور سورنا قوم کے شعیب کو اس گناہ کے واسطے قتل

کیا''۔(31)

اس عبارت میں شعیب افغان کی قوم کا نام واضح طور پر لی گئی ہے اور ''سورنا'' درج ہے۔لیکن ممکن ہے یہ نام بھی غلط ہو اور اس کا اصل ''از قوم سور بھا تھا'' یعنی سوری قوم سے ہو۔ایک اور جگہ جب سیفی ان پشتونوں پر بحث کرتے ہیں جو''افغانی ڈاکوؤں'' کے نام سے یاد کیئے گئے ہیں'افغانستان' کے کئی سربراہوں کے زبانی لکھتے ہیں'' قلعہ دوکی سے ستر فرسنگ دور جنوب کی طرف ڈاکوؤں کا ایک گروہ ہے جو کنکان اور نھران کے نام موسوم ہیں''۔ (32) ان لوگوں کے بارے میں سیفی کے اور بیانات سے پورے یقین کے ساتھ یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کنکان اور نھران بھی دو قریبی ہمسایہ پشتون قبائل ہوں گے۔

افغانستان کے کئی بزرگوں کے نام جو تاریخ نامہ میں درج ہیں مثلاً المار، سندان، ہرمز، جلم، رانا کنجر، سیورا، کیورا، میران شاہ اور سام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور کے افغانستان میں غیر عربی اور بومی نام بہت زیادہ رائج ہیں، اسی طرح سام افغان، شعیب افغان اور سندان افغان کے ناموں کے آخری حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیفی نے لفظ'افغان' پشتونوں کے لقب کے طور پر بھی استعمال کیا ہے۔

تاریخ نامے کے متن سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور کے افغانستان کے بعض سرداروں کے ناموں کے ساتھ ان کے قبیلوں کے نام بطور تخلص استعمال ہوئے ہیں مثلاً ہرمز تری[ترین]اور احمد توری۔

میسر تحریری اسناد یہ بھی بتاتی ہیں کہ پشتون زمانہ قدیم سے سرکش اور جنگجو لوگ ہیں۔عتبی کہتے ہیں کہ افغانوں نے سلطان محمود غزنوی کی سلطنت کے بعض علاقوں میں بد امنی پیدا کر رکھی تھی اسی لئے سلطان نے ان کے ساتھ شدید لڑائیاں لڑیں۔(33) ابن اثیر بھی کہتے ہیں کہ افغان تباہ کار تھے اور سلطان محمود نے ان پر حملے کئے۔(34) عبدالحیٔ بن ضحاک گردیزی کہتے ہیں کہ سلطان مسعود غزنوی نے اپنے بیٹے امیر ایزدیار کو غزنی کے پہاڑی علاقوں کی طرف بھیجا تا کہ پشتونوں کی سرکشی کا راستہ روک سکے۔(35) فرشتہ بھی

غزنوی عصر کے واقعات کے بیان کے ضمن میں پشتونوں کو سرکش کہتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ علی بن ربیع نے پشاور کے علاقوں کے افغان جو سرکشی اور تباہی پھیلاتے تھے کو تابع کرلیا۔(36) فردوسی کے شاہنامے کی ملحقات بھی جو چھٹی صدی ہجری کی حدود میں لکھے گئے پشتونوں کو بہادر اور جنگجو لوگ کہتے ہیں۔پشتونوں کی یہ خصوصیات تاریخ نامے کی کئی عبارات میں بھی موجود ہیں ایک جگہ شہنشاہ کی زبانی کہا گیا ہے کہ ''افغان بہت بیباک، خونریز اور بہادر لوگ ہیں''۔(39) ایک اور جگہ قلعہ تیری کے واقعات کے ضمن میں لکھا گیا ہے کہ ''المار نے ہزار جنگجو سپاہ جن میں ہر ایک میدان جنگ میں شیر جیسا بہادر اور مست ہاتھی جیسا تھا قلعہ سے میدان جنگ میں اتارے..........ان بہادر سپاہیوں نے نکالی گئی تلواروں سے بہتے دریا، خونخوار چیتے اور گرج چمک کی مانند جھگڑے کا آغاز کیا۔ پتھروں اور تیروں سے حملے شروع کئے۔جوں جوں لوگ قتل کرتے گئے توں توں مزید جوش میں آتے گئے اور جنگ ختم کرنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے''۔(40)

تاریخ نامہ میں ایک اور جگہ اہل تیراہ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ وہ ''عملی طور پر دیو کی مانند اور چہرے سے ارمینوں سے مشابہ تھے شیر اور بھیڑیئے کے ساتھ دودھ پیتے اور چیتے کے ساتھ دن رات گزارتے ہر ایک خود کو بہادر اور پہلوان خیال کرتا''۔(41) ایک اور جگہ کنکان اور نھران افغانوں کے بارے میں درج ہے کہ ''یہ سات سو بے باک اور جنگجو سپاہ ہیں جو جنگ کے دن دو ہزار سواروں سمیت لڑتے ہیں.......(42) قلعہ ساجی کے لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہاں اسی طرح کے ''ہزار بہادر اور مجاہد افغان آباد ہیں کہ ان کی بہادری، غیرت اور قربانی عقل اور تصور سے بالاتر ہیں''۔(43) جب ابن بطوطہ پشتونوں کی یاد دہانی کرتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ ''بہت بہادر لوگ ہیں''۔(44)

جب شرف الدین یزدی سیفی اور ابن بطوطہ کے بہت بعد یعنی 801ھ کے ایک واقعے کے وقت پکتیا کے کرلانی پشتونوں کا ذکر کرتے ہیں وہ بھی اسی طرح کے لوگ سمجھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ''ایک بہادر، عظیم اور باہمت قبیلہ تھا۔(45)

ممکن ہے کہ پشتونوں کی یہی خصوصیت اس کا سبب بنا ہو کہ زمانہ قدیم سے اپنے اور غیروں کی افواج میں بھرتی ہوئے ہیں اور مسلسل عسکری خدمات انجام دی ہیں۔ عتبی سبکتگین دور کے واقعات کے بیان کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ افغان اسی حکمران کے جنگی سپاہیوں میں شامل ہوئے۔(46)

مسعود سعد سلمان کا درج ذیل شعر بھی اس بات کا گواہ ہے کہ غزنوی سلاطین کی افواج میں پشتون شامل تھے۔

از لشکر ترک و هند و افغان

بر باره هزار شیر نو کرده۔ (47)

بعد کے دور کے معتبر تحریری اسناد بھی غزنویوں اور اسی طرح غوریوں کی افواج میں پشتونوں کو شامل سمجھتے ہیں، فرشتہ ہندوؤں کے ساتھ سلطان محمود کے ایک جھگڑے کے بیان کے دوران لکھتے ہیں کہ ''ارسلان جاذب دس ہزار ترک، افغان اور خلجی لشکر کے ساتھ دو دن ان کے پیچھے تھا اور آٹھ ہزار کفار ہلاک کئے''۔(48) وہ پھر لکھتے ہیں کہ ''محمد باهلیم ....نے عرب اور عجم اور خلجیوں سے بہت اچھے لشکر کو تربیت دی اور سرکش کفار میں سے بہت ہلاک کئے''۔(49) فرشتہ بہرام شاہ غزنوی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''اپنے لشکر سمیت جو کہ افغانوں اور خلجیوں اور دیگر خانہ بدوشوں پر مشتمل تھا غزنی کے مضافات تک پہنچا۔(50) نعمت اللہ ہروی بھی سلطان محمود غزنوی کی فوج میں پشتون شامل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسی سلطان نے سومنات کی جنگ پشتون سرداروں اور ان کے جنگی سپاہیوں کی بدولت جیتی۔(51) حافظ رحمت خان بھی کندھار اور غزنی کے علاقوں کے دسوؤں ہزار پشتون سلطان محمود غزنوی کی فوج میں شامل سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہند کے جھگڑوں میں سلطان کی کامیابی انہی کے سبب تھی۔(52)

یہ یادداشت منٹورنٹ الفنسٹن کی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ ''پشتون محمود اور دیگر غزنوی سلاطین کی افواج کے سب سے بڑے حصے کی بلکہ بنیادی حصے کی تشکیل کرتے

تھے۔(53) فرشتہ اور نعمت اللہ دونوں غوریوں کی افواج میں بھی پشتون شامل سمجھتے ہیں۔
جب فرشتہ ایک جگہ سلطان شہاب الدین غوری کے جھگڑوں پر بحث کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ
جب سلطان کے دیگر امیر شکست کھا کر بھاگ گئے لیکن ''افغان اور خلجی امیر جو سرِ لشکر تھے
بہت بہادری سے لڑے اور بہادری میں ان کا ثانی نہیں''۔(54) پھر لکھتے ہیں کہ سلطان
شہاب الدین اگلے سال ایک لاکھ سات ہزار ترکوں، تاجکوں اور افغانوں کے ساتھ
..........غزنی سے روانہ ہوئے''۔(55)

خواجہ نعمت اللہ بھی سلطان شہاب الدین غوری کی فوج میں ہزاروں پشتون شامل
سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہندوستان میں سلطان کی کامیابی انہی کی وجہ سے تھی۔(56)

بعض اسناد سے بہت واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ غزنوی اور غوری دور میں
پشتون ہندوؤں کی فوج میں بھی شامل تھے۔فرشتہ جیپال کی فوج میں بھی پشتون شامل سمجھتے
ہیں۔(57) اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ پشتون ان جھگڑوں میں بھی ہندو حکمرانوں کی فوج میں
شامل تھے جو سلطان شہاب الدین غوری نے تیھورا سے لڑے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''تیھورا
........تین لاکھ راجپوت اور اوغان سواروں کے ساتھ میدان میں نکلے اور سلطان بھی
جھگڑے کیلئے میدان میں نکلے(58)

یہاں اُن پشتون سرداروں کے بارے میں جو اکثر ذاتی مفادات اور صوبیداری
کی خاطر مقامی حکمرانوں یا جھانگیروں کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی
چاہئے کہ ان میں سے اکثر کسی نہ کسی وقت اپنے حکمرانوں سے الگ ہوئے اور حتیٰ کہ ان کے
خلاف لڑائیاں بھی لڑی ہیں۔

جب ملک شمس الدین کے لشکر 'افغانستان' کے ایک نامور پشتون سردار سندان کے
چچازاد بھائی شعیب کو قتل کرتے ہیں تو سندان ملک شمس الدین جو اس کے ساتھ تھے سے الگ
ہوتے ہیں قلعہ دوکی میں مورچہ بند ہوتے ہیں اور اس کے خلاف جنگ کرتے ہیں''۔(59)

'افغانستان' کا ایک اور سردار ملک تاج الدین جس نے ملک شمس الدین کا تکلنا باد

میں ساتھ دیا تھا، مستونگ میں ملک شمس الدین کے گورنر کو قتل کرتے ہیں اور وہاں اپنی حکمرانی کا آغاز کرتے ہیں۔(60)

جب سینئر ملک شمس الدین تبریز میں وفات پاتا ہے اور اس کی جگہ جونیئر ملک شمس الدین حکمران بن جاتا ہے کندھار کا سرداراس کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس وقت اپنی مخالفت کو جاری رکھتا ہے کہ جنگ میں دونوں اطراف سے اتنے لوگ مارے جاتے ہیں کہ سیفی کہتے ہیں کہ ''خون کی نہریں بہنے لگیں''۔(61)

ممکن ہے کہ یہی قربانیاں اور فوجی خدمات اور بعض دیگر مجموعی فرق اس بات کا سبب بنی ہو کہ پشتون زمانہ قدیم سے اپنے لئے الگ اسلحہ رکھتے تھے اور بہت سے قدیم آثار میں بھی انہی کے نام سے مذکور ہیں۔

بعض قدیم اسناد سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غزنوی دور میں بھی پشتونوں کے بعض اسلحوں مثلاً ایک چھوٹے نیزے کا نام بہت مشہور تھا غزنوی دور کے بڑے شاعر فرخی سیستانی (وفات 429ھ) پشتونوں کے اس نیزے کو بہادری کی علامت سمجھتے ہیں۔ وہ اس قصیدے میں جو سلطان محمود کی تعریف میں لکھی گئی تھی میں تکلیف دہ راستے کے کانٹوں کو پشتونوں کے ایک چھوٹے نیزے سے تشبیہ دیتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

چہ خارہایی کاندر سرینہای ستور
فروشد جو بہ ریگ اندر آہنین مسمار
بہ گونہ شل افغانیان دو پرہ و تیز
چو دستہ بستہ بہ ہم تیرہای بی سوفار (62)

آداب الحرب کے مؤلف کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پشتونوں کی تلوار اور تیر کا نام زمانہ قدیم سے مشہور تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''شل (نیزے کی انی) اور ژوبین (یہ بھی نیزے کی طرح ایک آلے کا نام) افغانوں ہندوؤں اور ان لوگوں کا اسلحہ ہے جس کے پاس تلوار بھی ہے اور شل بھی اور ژوبین بھی۔

.....تلوار کی کئی اقسام ہیں چینی اور روسی اور ....سورمان اور تورمان .....

سورمان اور تورمان اکثر افغانوں کی تلوار ہے''۔(63)

تاریخ نامہ کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ سیفی دور کے افغانستان میں زرہ بھی استعمال کی گئی ہے۔قلعہ خاسک کے واقعے کے بیان کے ضمن میں کہا گیا ہے کہ''میرانشاہ تین سو سپاہیوں سمیت جنہوں نے زرہیں پہن رکھی تھیں ....قلعہ خاسک سے حملہ آور ہوئے....(64)

میسر قدیم اسناد اور مدارک پشتون معاشرے میں مذہب اور خصوصاً اسلام کی ترویج اور تصمیم کو نمایاں کرنے میں بھی کچھ روشنی ڈال سکتے ہیں۔

اسلام جس کی افغانستان میں ترویج مغرب کی طرف سے شروع ہوئی پہلی ہجری صدی کے اوّل نصف میں عبدالرحمن بن ثمرہ کے سبب کابل تک پھیل گیا اور ابن سمرہ کا نامور سپہ سالار مہلب نے اباسین کے مشرقی کنارے تک پہنچا دیا۔(65)

جو کتبہ وزیرستان میں انگریز پولیٹیکل ایجنٹ سیٹورٹ پیرز نے وادی ٹوچی میں 1907ء میں برآمد کیا وہ سورا اور کوفی رسم الخط میں لکھا گیا ہے اور ابھی تک پشاور کے میوزیم میں رکھا ہوا ہے۔(66) وہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ عرب فاتحین حتیٰ کہ تیسری ہجری صدی کے پہلے نصف میں پشتونخوا کے بہت دشوار گزار پہاڑی علاقوں تک بھی پہنچ گئے تھے لیکن بعض قدیم اسناد سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بہت پشتونوں نے بعد کے اوقات تک بھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔غزنوی دور کے شاعر مسعود سعد سلمان اس کے ایک شعر میں جو غزنوی دور کے ایک جنگی سپہ سالار علی خاص کے بارے میں کہا ہے اس لشکر کو کفار کا لشکر کہتے ہیں جس سے علی خاص نے''کشور افغان''پر حملہ کے وقت لڑائی لڑی تھی، مسعود سعد کہتے ہیں۔

شکستہ گشت بہ تیغ تو لشکر کفار

خراب شد بہ سپاہ تو کشور افغان (67)

جب ابن اثیر 409ہجری کے واقعات کے لکھتے وقت پشتونوں پر سلطان محمود

کے حملہ پر بحث کرتے ہیں تو وہ افغانوں کو کھل کر کافر کہتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ''افغان کافر اور تباہ کار تھے''۔(68)

عجائب المخلوقات کا مؤلف چھٹی ہجری صدی کے نصف میں کہتے ہیں کہ افغان درخت، برہمن کو سجدہ کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ ''افغانوں کے علاقے میں ایک جھاؤ کا جنگل ہے اس جنگل میں ایک بڑا درخت ہے جس کے تنے کی موٹائی سترہ ارش ہے اس درخت کو درخت برہمن کہا جاتا ہے اور افغان اس کو سجدہ کرتے ہیں۔(69)

مؤلف حدود العالم چوتھی ہجری صدی کے اواخر میں ظاہراً افغانوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے الگ کرتے ہیں اور جب ننگرہار کو زیر بحث لاتے ہیں کہتے ہیں کہ یہاں کے بادشاہ کی عورتیں کچھ مسلمان کچھ افغان اور کچھ ہندو ہیں۔(70) اور اسی طرح افغانوں کو مسلمانوں سے جدا کرتے ہیں۔ حدود العالم کا مؤلف وخیوں کے بارے میں بھی یہی کہتے ہیں اور جب سمرقنداق کا تعارف کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ ''سمرقنداق ایک بڑا گاؤں ہے جس میں ہندو، تبتی، وخی اور مسلمان رہتے ہیں''۔(71) حدود العالم آگے جا کر وخیوں کے بارے میں اور واضح کرتی ہیں اور جب زنججب کو زیر بحث لاتے ہیں تو وخیوں کو کھل کر گبرین کہتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ''زنججب ایک گاؤں ہے جس میں گبر کی وخی آباد ہیں''۔(72) وخیوں کے بارے میں اس وضاحت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدود العالم نے یہاں قطعی طور پر پشتونوں کو مسلمانوں سے اس لئے الگ کئے ہیں کہ کسی دوسرے دوسرے مذہب کے پیروکار ہیں۔

جو بات مبارک شاہ ادیرا افغان اور جیپال بادشاہ کے مذاکرات کے بارے میں لکھتے ہیں اور جس پر چوتھے باب میں بحث ہو چکی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پشاور کے آس پاس کے پشتونوں میں سلطان محمود غزنوی کے دور تک اسلام نہیں پھیلا ہے۔(73) جب البیرونی پانچویں صدی کے اوائل میں تاریخ ہند میں اس کے اپنے قول کے مطابق ہند کی مغربی سرحد اور یا افغانوں کے پہاڑی ملک کے قبائل کو زیر بحث لاتے ہیں تو ان قبائل کو ہندو یا ہندوؤں کے رشتہ دار کہتے ہیں۔(74)

اوپر ذکر شدہ اقتباسات اور بعض مربوط نکات مثلاً یہ کہ وہند کے جھگڑے اور کئی دیگر جنگوں میں پشتونوں اور ہندوؤں نے مشترکہ طور پر اسلامی فاتحین کے لشکر کے خلاف لڑائیاں لڑی ہیں سے ظاہر ہوتا ہے کہ پشتونوں میں دین اسلام آہستہ اور بتدریج پھیل چکا ہے اور بعض علاقوں کے پشتون پانچویں اور ممکن ہے کہ چھٹی ہجری صدی کے آخری اوقات تک بھی مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ جب میسر اسناد اور بعد کے آثار پشتون معاشرے کی تعمیرِ نو اور ارتقاء کے بارے میں جدید مطالعات اور اس معاشرے کے موجودہ اقتصادی اور معاشرتی خصوصیات کے ساتھ ساتھ مطالعہ کئے جائیں تو یہ بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ اور بہت سے معاشروں کی طرح پشتون معاشرے میں بھی مختلف مہارتوں اور ایجادوں نے ساتھ ساتھ ارتقائی عمل طے نہیں کئے ہیں بلکہ یہ ارتقائی عمل آگے پیچھے دکھائی دیتے ہیں۔ میسر اسناد اور مربوط شواہد یہ بتاتے ہیں کہ تلوار اور کمان کے استعمال کی صلاحیت اور جنگی مہارت پشتونوں میں بہت قدیم وقت سے موجود ہیں اور زمانہ قدیم سے ارتقائی عمل کئے ہیں لیکن انفرادی ہندی ایجادات اور قلم کا استعمال پشتون معاشرے میں اتنی قدیم نہیں ہے۔

ایک معاشرے کے ایسے تاریخی مرحلے پر جس پر بحث کی گئی جھگڑے کی مہارت اور تلوار کے استعمال کی صلاحیت تنازءالبقاء کی اصلیت کی بنیاد پر پہلی معاشرتی ضرورت ہے لیکن انفرادی فنی جدیدیات مثلاً کسی شاعر کے اشعار عام طور تفریحی نوعیت اور ثانوی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ فن کار اس سے پہلے کہ پیشہ وارانہ فن کا آغاز کریں اسے چاہیئے کہ اپنی زندگی کی بقاء اور ضروریات زندگی مثلاً خوراک، لباس، گھر اور دیگر ضروریات کا بندوبست کرے !!ان ضروریات کا یا تو اسے خود بندوبست کرنا چاہیئے یا دوسرے کو اس کے لئے فراہم کرنے چاہئے۔

پشتون معاشرے کے اسی تاریخی مرحلہ پر مؤخرالذکر امکان یعنی کہ ایک فن کار کے لئے مثلاً شاعر کی زندگی کیلیئے ضروری وسائل دوسروں کو فراہم کرنے چاہئیں۔ زیادہ دکھائی نہیں دیتے اس معاشرتی مرحلے میں اکثر پشتونوں میں کام کی مہارت اور اقتصادی پیداوار

اتنی ترقی نہیں کر سکا ہے کہ اقتصادی پیداوار یا ترقی اتنی زیادہ ہو جن کی ایجاد اور مظاھرے میں معاشرے کے عام لوگ حصہ لیتے ہیں۔ یہاں ایک جوان بیک وقت مزدور بھی ہے اور گلوکار بھی یہاں ایک دوشیزہ کام بھی کرتی ہے اور رقص بھی۔ وہ لباس، جھونپڑیاں اور کمرے بھی بناتی ہیں اور اور لنڈی (ایک قسم کی پشتو عوامی شاعری ہے جن کی تخلیق خصوصاً خواتین کرتی ہیں) بھی تخلیق کرتے ہیں وہ خانگی سامان کوچ کے وقت بھی باندھتی ہیں اور پھر ان کو گیتوں میں بھی گاتی ہیں، وہ ریوڑ بھی چراتے ہیں اور سورنا میں دل افروز نغموں کی گونج بھی وادیوں میں سنائی دیتی ہیں اور معاشرتی مکتبِ زندگی میں پہلے کے اور نئے فن کو آئندہ نسلوں تک پہنچاتے ہیں اور ذہنی فعالیت کے حامل خوبصورت گیت اپنے حافظے کے بل بوتے پر ان تک پہنچاتی ہیں، مختصر یہ کہ ایسے مرحلے میں نہ فن کوئی ممتاز اہمیت کا حامل ہے اور نہ ہی فن کار کی کوئی اہمیت ہے کہ ضروریات زندگی اس کیلئے اور فراہم کریں، حتیٰ کہ بعض فنون مثلاً رقص اور موسیقی بہت بعد کے اوقات تک بھی اکثر پشتون قبائل میں امتیازی خصوصیت اور ایک ایسی شکل اختیار نہیں کی ہے کہ اضافی آمدن کا سبب ہو۔ جب بندہ پشتونوں کے بعد دور کے ادبی اور معاشرتی تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کرتا ہے تو اس دور کے بہت بعد انفرادی بھی اور خصوصاً تحریری ادبی فنون معمولاً علماء (مولویوں) اور بعض خواتین کا کام ہے یہ اس لئے کہ معاشرے کی اضافی آمدن سے استفادہ اور خط و کتابت کیلئے فراغت منظم طریقے سے صرف ان کے نصیب میں ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہی عوامل اور واقعات اس کا سبب بنا ہے کہ پشتون معاشرے میں اس تاریخی مرحلے پر علوم، لکھنا پڑھنا اور فنون نے زیادہ ترقی نہیں کی اور ممکن ہے اسی وجہ سے اس دور کا کوئی مکمل پشتو تحریری اثر ہم تک نہیں پہنچی ہے۔

ماخذات و حوالہ جات

(1) حدود العالم من المشرق الی المغرب صفحہ:372

(2) ابن اثیر کامل جلد 16 صفحہ:29

(3) ابن اثیر کامل جلد 18 صفحہ:179

(4) کرمان یا کڑمان کی مزید تفصیلات کیلئے باب چہارم کا چودواں حوالہ ملاحظہ ہو۔

(5) ابن اثیر کامل جلد 20 صفحہ:216

(6) فرشتہ، تاریخ فرشتہ۔ صفحہ:87

(7) ہروی سیفی تاریخ نامہ صفحہ:111

(8) ایضاً صفحہ: 110 - 111

(9) ایضاً صفحہ: 202

(10) ایضاً صفحہ: 205 - 207

(11) ایضاً صفحہ: 111 - 112

(12) ایضاً صفحہ: 213 - 215

(13) ایضاً صفحہ: 257

(14) ایضاً صفحہ: 262 - 263

(15) ایضاً صفحہ: 198

(16) ایضاً صفحہ: 252

(17) ایضاً صفحہ: 198

(18) ایضاً صفحہ: 205

(19) ایضاً صفحہ: 196

(20) ایضاً صفحہ: 198

(21) ایضاً صفحہ: 202

(22) ایضاً صفحہ: 269

(23) ایضاً صفحہ: 202

(24) ایضاً صفحہ: 226

(25) ایضاً صفحہ: 199

(26) ایضاً صفحہ: 215

(27) ایضاً صفحہ: 257

(28) اسفزاری زمچی روضات الجنات جلد:1 صفحہ: 112

(29) ہروی تاریخ نامہ صفحہ: 271

(30) اس کتبے کی نقل مجھے مرحوم علامہ عبدالحیٔ حبیبی نے اپنی ذاتی یادداشتوں سے فراہم کی۔

(31) ہروی سیفی تاریخ نامہ صفحہ:212

(32) ایضاً صفحہ: 222

(33) عتبی تاریخ یمنی صفحہ: 389

(34) ابن اثیر کامل جلد16 صفحہ:29

(35) گردیزی عبدالحیٔ تاریخ گردیزی صفحہ 438

(36) فرشتہ تاریخ فرشتہ صفحہ:80

(37) بیرونی تاریخ ہند جلد:1 صفحہ:199

(38) فردوسی شاہنامہ صفحہ: 538 - 544

(39) ہروی سیفی تاریخ نامہ صفحہ:99

(40) ایضاً صفحہ: 205

(41) ایضاً صفحہ: 302

(42) ایضاً صفحہ: 222

(43) ایضاً صفحہ: 224

(44) ابن بطوطہ سفرنامہ جلد: 1 صفحہ: 446

(45) یزدی ظفرنامہ جلد:2 صفحہ:40

(46) عتبی تاریخ یمنی صفحہ: 33

(47) سلمان مسعود سعد دیوان صفحہ:483

(48) فرشتہ تاریخ فرشتہ صفحہ:45

(49) ایضاً صفحہ: 87

(50) ایضاً صفحہ: 2 - 87

(51) ہروی نعمت اللہ جلد:1 صفحہ:119 - 120

(52) حافظ رحمت خان خلاصۃ الانساب صفحہ:78 - 79

(53) الفنسٹن, سلطنت کابل صفحہ:125

(54) فرشتہ تاریخ فرشتہ صفحہ:55

(55) ایضاً صفحہ: 100

(56) ہروی نعمت اللہ مخزن افغانی جلد:1 صفحہ:119 - 120

(57) فرشتہ،تاریخ فرشتہ

(58) ایضاً صفحہ: 101

(59) سیفی ہروی تاریخ نامہ صفحہ:212 - 221

(60) ایضاً صفحہ: 264 - 269

(61) ایضاً صفحہ: 369 - 372

(62) فرخی سیستانی دیوان صفحہ:61 - 62

(63) مبارک شاہ آداب الحرب صفحہ: 258 - 259

(64) سیفی تاریخ نامہ صفحہ: 204

(65) حبیبی ،عبدالحئی ،افغانستان بعد از اسلام جلد:ا صفحہ:162

(66) کیرو, دی پٹھانز صفحہ:105

(67) مسعود سعد دیوان صفحہ:418

(68) ابن اثیر کامل جلد:16 صفحہ:29

(69) محمد بن احمد عجائب المخلوقات صفحہ: 217

(70) حدود العالم صفحہ:379

(71) ایضاً صفحہ: 339

(72) ایضاً صفحہ: 399

(73) مبارک شاہ آداب الحرب صفحہ: 315 - 316

(74) بیرونی تاریخ ہند جلد:1 صفحہ:199

باب نمبر 7

پشتون اور بابر

جتنے حملے بابر نے پشتونخوا کی ایک طرف سے دوسری طرف تک مختلف پشتون قبائل اور ان کے بعض ہم وطنوں پر کئے ہیں جتنے سر تن سے جدا کئے جتنے سروں کے مینار بنائے جتنے گاؤں اور گھر تباہ و برباد کئے اور جتنی لوٹ مار کی ممکن ہے کسی اور بادشاہ اور حملہ آور نے نہ کی ہو لیکن جتنی معلومات ہمیں پشتون معاشرے کی مختلف اقوام اور قومی سرداروں کی ابتدائی معاشرتی زندگیوں اور جغرافیائی وقوع اور پشتون معاشرے کی دیگر خصوصیات کے بارے میں بابر کی یاداشتوں سے حاصل ہوئی ہیں بابر کے زمانے حتیٰ کہ اس کے بعد کے زمانے تک کسی اور کتاب سے حاصل نہیں ہوئی ہیں۔

لہٰذا یہاں ہم نے بابر کی یاداشتوں یا بابر نامے سے تقریباً وہ تمام یاداشتیں نقل کی ہیں جو پشتونخوا میں پشتونوں کے بارے میں قلم بند ہوئی ہیں۔

ہم نے یہ یاداشتیں بابر نامے کے اس نسخے سے ترجمہ کی ہیں جو انیتا بیورج نے 1922ء میں ترکی زبان سے انگریزی میں ترجمہ کی تھی اور 1979ء میں نئی دہلی میں دوبارہ چھاپی گئی، محققین کی آسانی کیلئے پشتو (اب اردو ترجمے) کے مختلف حصوں میں جگہ جگہ بیورج کے انگریزی ایڈیشن کے صفحہ نمبرز دیئے گئے ہیں۔ ہم نے ترجمہ کرتے وقت پوری ایمانداری کو مدنظر رکھتے ہوئے بابر نامے کے انگریزی عبارات بہت حد تک فقرہ بہ فقرہ اور حتیٰ کہ لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا ہے، لیکن یہ کوشش کی ہے کہ پشتو (اب اردو) ممکنہ حد تک عام فہم، سادہ اور سلیس

ہو۔ جہاں ضرورت محسوس کی گئی وہاں جو لفظ یا جملہ کم کیا اس کی جگہ جس دوسرے الفاظ یا جملے کو استعمال کیا اور جہاں متن میں جو لفظ یا جملہ مفہوم کی پوری ادائیگی اور وضاحت کیلئے اضافہ کیا اس کو بریکٹ میں [ ] لکھا ہے۔

بابر 1504ء میں کابل پر قابض ہوا لیکن بابر نامہ میں پشتونوں کی مخالفت اور جھگڑوں کے حالات اس وقت شروع ہوتے ہیں جب وہ جون 1505ء میں کابل سے ہندوستان کے سفر پر روانہ ہوتے ہیں۔ بابر کا یہ سفر جگد لک کے راستے شروع ہوتا ہے اور پشتونوں کے خلاف آمنے سامنے کے واقعات اسی سفر کے آغاز میں اس وقت شروع ہوتے ہیں جب گرم چشمے تک پہنچتا ہے یہاں پشتونوں کے ایک سردار کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ گگیانیوں کے ایک سردار فاجی ظاہراً اپنے قافلے سمیت لایا گیا۔ اہم راستے بتانے کی خاطر اس کو اپنے ساتھ لے لیا'' (صفحہ:229) بابر دو منزل چلنے کے بعد خیبر پار کرتا ہے اور جم تک پہنچتا ہے، وہاں کچھ دیر کیلئے قیام کرتا ہے، جم سے کوہاٹ کی طرف روانہ ہوتا ہے وہاں ایک مرتبہ پھر گگیانی پشتونوں کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ''اس زمانے میں گگیانی افغان پرشاور [پشاور] میں آباد تھے لیکن ہماری افواج کے خوف سے پہاڑوں کے دامن میں چلے گئے تھے ان کا ایک سردار مجھے سلام کرنے کیمپ تشریف لائے ہم نے فاجہ سمیت راستہ بتانے کیلئے اپنے ساتھ لے لیا۔'' [صفحہ:230] پھر لکھتے ہیں کہ 'کیمپ سے آدھی رات کو روانہ ہوئے علی الصبح محمد فاجی سے گزرے اور صبح ناشتے کے وقت کوہاٹ میں اترے۔ بہت بڑی تعداد میں بیلوں اور بھینسوں کے ریوڑ ہمارے افواج کے ہاتھ آئے بہت زیادہ افغان گرفتار ہوئے لیکن میں نے تمام کو جمع کر کے رہا کر دیئے، کوہاٹ کو گھروں میں بے اندازہ اناج موجود تھا۔ ہماری افواج نے حتیٰ کہ دریائے سندھ تک حملے کئے اور ایک دن کے بعد دوبارہ یکجا ہوئے اور دوبارہ لوٹ مار کرنے آئے تو دو دن کوہاٹ میں گزارے۔ اس ضمن میں مشورہ ہوا کہ اگلا مفید قدم کیا ہوگا، فیصلہ ہوا کہ بنگش افغانوں اور بنوں کے پڑوس پر حملہ کیا جائے اور پھر نغر یا فرمل کے راستے کابل جائیں۔

کوہاٹ میں یار حسین کے بیٹے دریا خان ....نے التجا کی کہ میں دلزاکوں، یوسف زئیوں اور گگیانیوں کے نام فرمان دوں لہٰذا جب میں چاہوں کہ دریائے سندھ کے دوسرے کنارے سے بادشاہ کے نام جنگی سپاہ اکٹھا کرلوں تا کہ پھر وہ حکم عدولی نہ کریں، دریا خان کو یہ فرمان دیا گیا اور کوہاٹ سے رخصت کیا گیا[صفحہ:231] (دریا خان اس وقت بابر کی ہدایت سے اباسین کے مشرقی کنارے حسن ابدال کے قریب کچہ کوٹ میں قیام پذیر ہے۔ پشتو مترجم) بابر کوہاٹ سے ہنگو کے راستے بنگش علاقے کیلئے روانہ ہوتا ہے اور اس بارے میں لکھتے ہیں کہ 'کوہاٹ اور ہنگو کے درمیان راستہ ایک تنگ درے سے گزرتا جب اس درے میں داخل ہوئے کوہاٹ اور آس پاس کے علاقوں کے افغان درے کے دونوں جانب پہاڑوں کے دامن میں اکٹھے ہوئے تھے اور جنگ کیلئے چیخ و پکار کررہے تھے۔ ہمارے رہبر ملک ابوسعید کمری کو افغانوں کے وقوع کا اچھی طرح پتہ تھا اس نے عرض کی کہ آگے ہمارے دائیں جانب ایک الگ پہاڑی ہے اگر افغان پہاڑوں کے دامن سے یہاں اترے تو ممکن ہے کہ ہم ان کا گھیرا کرلیں اور انہیں گرفتار کرلیں اللہ نے ایسا ہی کیا افغان واقعی نیچے اترے ہم نے جنگی سپاہیوں کے ایک گروہ سے کہا کہ پہاڑی اور پہاڑوں کے درمیان جگہ پر قبضہ کرلیں دوسرے سے کہا کو دونوں جانب روانہ ہو جائیں اسی طرح دونوں اطراف سے افغانوں پر حملہ کیا جائے جیسا کہ ہر طرف سے افغانوں پر حملے ہوئے حتیٰ کہ جنگ بھی نہیں ہوئی اور سو دو سو افراد گرفتار ہوئے بعض زندہ لائے گئے بعض کے صرف سر لائے گئے۔ ہمیں کہا گیا کہ افغانوں کی دستور ہے کہ جب شکست تسلیم کرلیتے ہیں تو گھاس کے تنکے منہ میں پکڑ لیتے ہیں اپنے دشمن کے پاس جاتے ہیں اور اس طرح کہتے ہیں کہ ''میں آپ کی گائے کا بچھڑا ہوں'' یہاں ہم نے دو دیکھے جو افغان مزاحمت نہیں کرسکے۔ تنکے منہ میں پکڑ کر ہمارے پاس لائے گئے۔

ہمارے لوگ جو جو قیدی ساتھ لائے تھے حکم ہوا کہ ان سب کے سر تن سے جدا کر دیئے جائیں۔ ان کے سروں سے ہمارے کیمپ میں مینار بن گئے۔ اگلے دن ہم آگے بڑھے

اور ہنگو میں منزل کی وہاں اس علاقے کے افغانوں نے پہاڑ میں مورچہ بنایا تھا۔ میں نے مورچے (سنگر) کا لفظ کابل آنے کے بعد سنا ہمارے لوگ سامنے پہاڑ پر چڑھے مورچہ تباہ کیا اور سو دو سو مغرور افغانوں کے سرتن سے جدا کئے وہاں پر سروں کا مینار کھڑا کیا۔ ہنگو سے رات کے وقت ٹل جو بنگش سے آگے واقع ہے کیلئے روانہ ہوئے وہاں بھی ہمارے سپاہیوں نے آس پاس کے افغانوں پر حملے کئے البتہ بعض مورچوں سے دوبارہ آئے اور زیادہ چیزیں نہیں لاسکے۔ (صفحات 231 - 232)۔

بابر ٹل سے بنوں کیلئے روانہ ہوتا ہے اور بنوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ بنوں کی زمینوں پر کورانی، کیوی، سیور۔ عیسیٰ خیل اور نیازی افغان فصل اگاتے ہیں جب بنوں میں اترے تو سنا گیا کہ دشت کے قبائلی سپاہ مزاحمت کر رہے ہیں اور شمال کی طرف ایک پہاڑ میں مورچہ بند ہو رہے ہیں۔ جہانگیر مرزا کی سربراہی میں ایک گروہ اس جگہ پر حملہ آور ہوا جو کیوی [قوم] کا مورچہ معلوم ہوتا تھا اسے فوراً قبضہ کر کے قتل عام شروع کیا بہت سے سرتن سے جدا کئے اور بہت سے ساتھ لائے، بہت مقدار میں سفید کپڑا بھی ہاتھ آیا، بنوں میں سروں کا ایک مینار کھڑا کیا۔ سنگر پر قبضہ کرنے کے بعد کیوی کا سردار تنکے منہ میں پکڑ کر میرے حضور حاضر ہوا اور اطاعت قبول کی میں نے تمام قیدی معاف کئے کوہاٹ پر قبضہ کرنے کے بعد فیصلہ ہوا کہ بنگش اور بنوں پر قبضہ کیا جائے اور نغر یا فرمل کے راستے کابل چلا جائے لیکن جب بنوں پر قبضہ کیا تو وہ لوگ علاقے سے واقف تھے، انہوں نے گزارش کی کہ دشت قریب ہے اور اس میں بہت سے لوگ آباد ہیں اور راستہ بھی ٹھیک ہے لہٰذا فیصلہ ہوا کہ دشت پر حملہ کیا جائے اور پھر فرمل کے راستے دوبارہ کابل روانہ ہو جائے۔ اگلے دن روانہ ہوئے اور عیسیٰ خیل کے ایک گاؤں جو دریائے کرم کے کنارے واقع ہے میں منزل کی۔ جیسا کہ گاؤں والوں نے سنا تھا کہ ہم آرہے ہیں لہٰذا چوبارہ کے پہاڑوں پر چڑھ گئے تھے، ہمارے حملہ آور چوپارہ کے پہاڑوں پر چڑھے عیسیٰ خیلوں کے سنگر تباہ کئے اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اور کپڑوں سمیت دوبارہ آئے اس رات عیسیٰ خیلوں نے حملہ کیا جیسا کہ ہم نے پہرے کا بہت اچھا انتظام کیا تھا

لہذا کچھ بھی نہیں کر سکے (صفحات 233 - 234)

بابر چو پارہ پہاڑوں کے دامن سے مغرب کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور سہ پہر کے وقت اس کے بعض سوار دستے دشت کے آس پاس کے علاقوں میں پہنچتے ہیں اور کئی گاؤں لوٹ لیتے ہیں۔ بابر خود اس بارے میں لکھتے ہیں کہ ''وہاں قیام کے دوران لوٹ ماروں نے بہت بڑی تعداد میں بھیڑ بکریوں اور بیلوں کے ریوڑ لے آئے اس طرح تاجر افغان جو راستے میں ان سے آمنا سامنا ہوتا تھا سفید کپڑا، خوشبودار جڑیں، اور فروخت کیلئے پالے ہوئے گھوڑے لے آئے، ہندی مغل نے ایک مشہور اور محترم افغان تاجر خواجہ خضر لوہانی کو گھوڑے سے اتار کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ ایک دفعہ جب شیریم تغائی دوسرے لوٹ ماروں کے پیچھے جا رہا تھا ایک افغان راستے میں اس کے سامنے آیا اور اس کی شہادت کی انگلی کاٹ لی (صفحہ 235)

بابر دریائے گومل سے گزرتا ہے اور جنوب کی جانب روانہ ہوتا ہے اور اس بارے میں لکھتے ہیں کہ ''ایک یا دو میل آگے کئی افغان جن کی موت آئی تھی پہاڑوں کے دامن میں نمودار ہوئے ہم نے اپنے گھوڑے دوڑا کر ان کے پیچھے گئے اکثر بھاگ گئے بعض بے وقوف پناہ گاہوں میں چھپ گئے ایک افغان ایسے پتھر کے پیچھے بیٹھ گیا جس کی دوسری جانب چٹان تھی لہذا اس کیلئے بھاگنے کا راستہ نہیں تھا سلیمان قلی چوناق جس نے زرہ پہن رکھی تھی اٹھا (اس افغان پر حملہ آور ہوا اور اسے گرفتار کیا۔ یہ سلیمان قلی کا ایک ایسا کارنامہ تھا جس نے میرے سامنے انجام دیا اور میں نے اسے ترقی دی۔ پتھروں کے اور ڈھیر سے قتلق قدم ایک اور افغان سے دست و گریبان ہوا اور دونوں دس بارہ قدم نیچے گر گئے بالآخر قتلق قدم نے اس افغان کا سر تن سے جدا کر دیا اور ساتھ لے آیا۔ کوپک بیگ ایک اور پہاڑ کے دامن میں ایک اور افغان سے دست و گریبان ہوا دونوں پہاڑی کے نیچے لڑ پڑے اور آخر میں افغان کا سر تن سے جدا کیا اور ساتھ لے آیا، آخر میں تمام افغان قیدی رہا کر دیئے گئے۔ (صفحات 237-236)

بابر جنوب کی طرف آگے بڑھتا ہے دوکی تک پہنچتا ہے دوکی سے غزنی کی طرف جاتا ہے کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک جگہ قیام کرتا ہے وہاں آس پاس کے علاقوں کے پشتونوں پر حملے کرتا ہے اور کہتے ہیں کہ ''میں نے جہانگیر مرزا کو حکم دیا کہ وہ ایک بہادر سوار دستے کی کمانڈ سنبھال لے اور آس پاس کے علاقے کے اوغانوں (افغانوں) پر حملہ کردیں ......تین چار میل آگے جہانگیر مرزا نے کئی افغان لوٹ لئے اور چند بھیڑ اور جانور ساتھ لائے'' (صفحہ:239) بابر کچھ فاصلہ مزید آگے طے کرتا ہے اور غزنی کے ڈیم شدہ پانی تک پہنچتا ہے یہاں وہ کھڑے پانی کے خوبصورت مناظر کی شاعرانہ منظرکشی کے بعد لکھتے ہیں کہ ''کھڑے سے دو میل کے فاصلے پر ہم نے ایک خوبصورت چیز دیکھی، آسمان اور پانی کے مابین صبح صادق کی شفق کی سرخی کی مانند ایک چیز ایک دفعہ ظاہر ہوتی تھی پھر چھپ جاتی تھی یہ ایک آبی بطخ تھی جب سے بطخیں فضا میں اپنے پر ہلاتی تھیں ایک دفعہ سرخ پر ظاہر ہوتے تھے پھر دوسرے رنگ۔ یہ بطخ دسویں اور بیسویں ہزار کیا اتنی تعداد میں تھیں کہ ان کا شمار ناممکن تھا۔

پانی کے کنارے نہ صرف اس قسم کے پرندے بلکہ اور ہر قسم کے پرندے بھی آتے تھے تاکہ انڈے دیں، پانی کے کنارے بے شمار انڈے تھے دو افراد افغان پانی کے کنارے انڈے اکٹھے کرنے آئے ہمارے بعض لوگ تقریباً آدھے میل تک ان کے پیچھے گئے اور ان کو بھی ساتھ لے آئے'' جتنے آگے (ہمارے لوگ) گئے پانی بھی تقریباً گھوڑے کے پیٹ تک گہرا تھا چونکہ زمین ہموار تھی لہٰذا پانی کی گہرائی اتنی نہیں تھی۔ (صفحہ:240)۔

بابر یہاں سے غزنی شہر اور وہاں سے مئی 1505ء میں دوبارہ کابل جاتا ہے اسی سال جون میں چاہتا ہے کی قندھار پر حملہ کردیں لیکن اپنی بیماری اور اس زلزلے کی وجہ سے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کابل یغمان اور آس پاس کے علاقوں میں آیا اور ممکن ہے اس علاقے کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ کندھار پر حملے سے باز آتا ہے اور ''قلات غلزائی'' پر حملہ کرتا ہے۔ قلعہ قلات میں جھگڑے اور اپنے بعض نامور سپاہیوں کی ہلاکت کے بیان کے بعد لکھتے ہیں کہ ''جنگ شام تک جاری رہی اور اسی حالت میں جب

ہماری جنگی سپاہ جنگ اور کام کی وجہ سے کھڑے ہونے کے قابل نہیں رہی قلعہ کے اندر لوگوں نے صلح کی پیشکش کی اور تسلیم ہوئے (صفحہ 248)

بابر اس کے بعد لگاتار قلات کے جنوب میں سواسنگ اور الاتاغ کے پشتونوں پر حملے کرتا ہے اور پھر کابل جاتا ہے وہ خود اس بارے میں اسی طرح لکھتے ہیں ''جس رات کابل پہنچے میں قلعہ میں داخل ہوا جیسا خیمہ اور اصطبل چھار باغ میں تھے ایک خیر یلجی (افغان) دیوار پھلانگ کر داخل ہوا اور میرے سیاہی نما سرخ گھوڑے کو بھی لے گیا اور میرا خنجر بھی''۔(صفحہ:249)

بابر مئی 1507ء میں غلجیوں پر حملے کی نیت سے روانہ ہوتا ہے اور اپنی اس مہم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ 'ہم کابل سے اس واسطے سوار ہو کر روانہ ہوئے تھے کہ غلجیوں پر حملہ کریں جب سردہ میں پیدل ہوئے یہ خبر پہنچی کہ بہت بڑی تعداد میں مومند (افغان) ہم سے پانچ میل کے فاصلے پر مشت اور سکانہ میں موجود ہیں ہمارے سپاہی ان پر حملہ کرنا چاہتے تھے لیکن میں نے کہا کہ کیا یہ درست ہوگا کہ ہم اصل ہدف چھوڑ دیں اور اپنے کسانوں پر حملہ کر دیں؟ یہ نہیں ہوسکتا (صفحہ:323)

بابر نے حملے کی بجائے آگے بڑھنے کا فیصلہ کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اندھیرے میں سردہ سے روانہ ہوئے صحرائے کٹواز سے اندھیرے میں گزرے سورج نکل آیا تھا جب ان چھوٹی پہاڑیوں اور وادیوں کے دامن سے اس میدان میں پہنچے جہاں سے غلجی ہم سے ایک یغاچ (پانچ چھ میل) دور آباد تھے جیسے ہی صحرا میں داخل ہوئے تو (غلجیوں) کی سیاہ نظر آئے یا تو ان کی (جھونپڑیوں) سیاہی یا آگ کا دھواں تھا......... جب تقریباً ایک شرعی (دو میل) اسی حالت میں آگے بڑھے جب افغانوں کی سیاہ نظر آئی تھی حملے کی اجازت دی گئی بے شمار بھیڑ بکریاں لوٹ لیں اتنی بڑی مقدار میں کہ کسی اور جھگڑے میں ہاتھ نہیں آئے تھے جب لوٹ مار کے بعد دوبارہ روانہ ہوئے افغانوں کی ٹولیاں یکے بعد دیگر سپاہ ان کے پیچھے گئے اور افغانوں کے ایک گروہ کو مکمل تباہ کیا ناصر میرزا نے خاص کام کیا اور افغانوں کے سروں

سے مینار کھڑا کیا(صفحہ:324) بابر غلجیوں سے حاصل شدہ مال غنیمت کے متعلق لکھتے ہیں کہ اسے ''ایک لاکھ بھیڑیں اور دوسرے جانور ملے''(صفحہ:325)

بابر ستمبر 1507ء میں ایک مرتبہ پھر کابل سے ہند کیلئے روانہ ہوتے ہیں اور دوران سفر مختلف پشتونوں سے اپنے تصادمات کا ذکر کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ'' کابل سے خورد کابل کے راستے روانہ ہوا اور سرخ رباط سے آگے قوروق سائے تک گئے کابل اور لمغان کے درمیان (ننگھار) افغان حتیٰ کہ امن وامان میں بھی چور اور چوروں کے ساتھ ہیں وہ ایسے واقعے کیلئے دعا مانگ رہے تھے'' کہ وہ (بابر) کابل سے نکلا'' اور اپنی بدعملی کو دس گنا زیادہ کیا اس حد تک کہ جس صبح ہم جگدلگ سے روانہ ہوئے یہاں اور لمغان کے درمیان آباد افغان مثلاً خضر خیل شیمو خیل، خیر پلی اور خوگیانی چاہتے تھے کہ پہاڑ کے اوپر گزرگاہ بند کردیں بہت سوں نے جو شمال کی طرف سے پہاڑوں پر چڑھے تھے ڈھنڈورا پیٹا اور بے نیام تلواروں سمیت ہماری طرف آئے (لیکن) بالآخر بھاگ گئے۔

جب میں افغانوں کے پیچھے پہاڑ پر چڑھا ان کا ایک فرد جو مجھ سے آگے بھاگ رہا تھا میں نے ہاتھ سے نشانہ بنایا یہ تیر سے زخمی فرد اور بعض دیگر قیدی لائے گئے اور بعض دوسروں کی عبرت کیلئے قتل کردیئے گئے۔(صفحہ:341)

بابر اس دفعہ کونڑ تک جاتا ہے لیکن ہندوستان جانا پھر بھی چھوڑتا ہے اور دوبارہ کابل جاتا ہے جب کابل میں بعض حالات کے بارے میں بحث کرتا ہے تو ''افغانوں'' کا ذکر بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں'' عبدالرزاق میرزا ننگھار سے آیا اور ان افغانوں میں رہنے لگا''۔(345)

بابر 1509ء کے موسم بہار میں مقر کے مومندوں پر حملہ کرتا ہے اس کے بعد 1519ء کے اوائل تک دس سال بابر کے حالات زندگی بابرنامے میں درج نہیں ہیں لیکن اس کے بعد تین جنوری 1519ء سے پھر بابر کے حالات زندگی بابرنامے میں موجود ہیں اور یہ وہ زمانہ ہے جب بابر باجوڑ کے علاقے جنداول (جندول) میں ٹھہرا ہوا ہے اور باجوڑ کے

قلعے پر حملہ کرنا چاہتا ہے وہ اس مہم کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ ''صبح صادق کیمپ سے قلعہ باجوڑ پر حملے کے ارادے سے روانہ ہوا، قلعے کے قریب پہنچ کر اترے اور دلزاک افغانوں کا ایک قابلِ بھروسہ شخص کو اہل قلعہ کے پاس بھیجا تاکہ سلطان اور لوگوں سے کہہ دیں کہ وہ اطاعت قبول کریں اور سرخم تسلیم ہو جائیں''۔(صفحہ:367-368)

بابر کہتے ہیں کہ باجوڑ کے لوگوں نے ان کی بات نہیں مانی لہٰذا ان پر حملہ کیا گیا قلعہ باجوڑ پر قبضہ کیا اور رہنے والوں کا قتل عام کیا بابر خود اس بارے میں کہتے ہیں کہ ''جیسا کہ باجوڑی باغی اور ملت اسلامیہ کے دشمن تھے اور جیسا کہ ان میں کفار کی عادات عام تھیں اور اسلام کا نام ونشان بھی ان کے قبیلے سے مٹ چکا تھا اور (اس لئے) قتل عام کیا گیا اور خواتین اور بچے قیدی بنائے گئے۔تقریباً تین ہزار مرد ہلاک کر دیئے گئے چونکہ جنگ قلعہ کے مشرقی طرف تک نہیں پھیلی لہٰذا چند افراد بچ گئے جب قلعے پر قبضہ کیا گیا ہم ہم اندر گئے اور قلعے کا معائنہ کیا۔دیواروں کے اوپر گھروں میں، راستے اور گلی کوچوں میں ہر جگہ بے شمار لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔آنے جانے والے لوگ لاشوں کے اوپر سے گزرتے تھے''۔(صفحہ:370)

بابر یہاں شاہ منصور یوسف زئی کا ذکر بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ''اس قتل عام کے دوران اپنی قوم کے نمائندے کی حیثیت سے ہمارے ساتھ تھا اور اس فتح اور قتل عام کا چشم دید گواہ تھا۔استعمال شدہ کپڑے اور تجدید کے احکامات دینے کے بعد اسے رخصت کیا گیا''(صفحہ:371)

بابر پھر لکھتے ہیں کہ ''محرم الحرام کی انیسویں تاریخ کو یوسف زئی افغانوں پر حملے کے ارادے سواد کیلئے روانہ ہوئے۔پنجکوڑی، جنداول اور باجوڑ کے مشترکہ دریا کے سنگم پر ٹھہر گئے یہاں شاہ منصور یوسف زئی معجونو کے چند مزیدار کلیاں لایا جس میں حد درجے کا نشہ تھا ایک کلی کو تین ٹکڑوں میں تقسیم کیا ایک ٹکڑا میں نے کھایا، ایک ٹکڑا گدائی تغائی کو اور ایک عبد اللہ کتاب دار کو دیا۔اس نے مجھے سخت نشہ کیا حتیٰ کہ شام کو جب بیگان جرگے کیلئے آئے تو میں ان کیلئے نہیں نکل سکا عجیب چیز تھی۔

محرام الحرام کی بیسویں تاریخ کوکھراج کے سامنے کھراج اور پشکرام کی وادیوں کے شروع میں اتر گئے ہم یہاں موجود تھے کہ سخت برفباری ہوئی یہاں برفباری کا برسنا عجیب اتفاق تھا اور سارے لوگ حیران تھے کھراج کے لوگوں پر سلطان سواد ویس کے توسط سے میری افواج کے اخراجات کی خاطر گدھے کے وزن کے حساب سے چار ہزار وزن چاول حوالے کئے گئے اور خود اس کو (سلطان ویس) بھیجا گیا تا کہ اکٹھا کر سکے۔ ان بے شرم پہاڑی لوگوں نے اس سے پہلے کبھی اتنا خراج نہیں مانا تھا (جیسا کہ) وہ ان سب چاول کا بندوبست نہیں کر سکے لہٰذا تباہ کر دیئے گئے۔

منگل کے دن محرام الحرام کی تیئسویں تاریخ ہندو بیگ کی سربراہی میں ایک لشکر روانہ کیا گیا تا کہ پنج کوڑہ پر حملہ کر سکے............لیکن وہاں کے لوگ بھاگ گئے تھے ہمارے سپاہ کئی جانور اور فوج کیلئے اخراجات کیلئے ڈھیروں اناج لائے۔ (صفحہ:373-374)

بابر آگے جا کر یوسف زئیوں کے ساتھ اپنی رشتہ داری کے بارے میں بحث کرتے ہیں اور کہتے ہیں ''یوسف زئی قوم کو اپنانے کیلئے ملک شاہ منصور کی بیٹی کیلئے اس وقت رشتے کا کہا جب وہ یوسف زئی افغانوں کی نمائندے کی حیثیت سے میرے حضور تشریف لائے تھے۔ ملک شاہ منصور ملک سلیمان شاہ کا بیٹا اور میرا ہمدرد تھا ہم یہاں موجود تھے جب اطلاع آئی کہ یوسف زئیوں نے شاہ منصور کی بیٹی کو تحائف سمیت روانہ کیا ہے۔ شام کو شراب کی محفل جمائی تھی، سلطان علاؤالدین (سواد کا) کو بھی مدعو کیا تھا اور اس کو بہت عزت اور احترام دیا گیا، اتوار کے دن وادی سے روانہ ہوئے شاہ منصور کی مذکورہ بیٹی لائی گئی'' (صفحہ:375)

(صفر) کے مہینے کی ساتویں تاریخ کو بیگان اور دلزاک افغانوں کے سرکردہ افراد ٹھہر گئے اور صلاح مشورے کے بعد فیصلہ ہوا کہ سال ختم ہونے والا ہے اور اس سال کے آخری مہینے کے چند روز رہ گئے ہیں علاقے کے لوگوں نے تمام اناج گھروں میں ذخیرہ کیا ہے اگر ابھی سواد چلا جائے تو افواج کیلئے اناج کا ایک دانہ بھی نہ ہوگا اور اس طرح فوج

کمزور ہو جائے گی۔ اب امھبار اور پانی مانی کے راستے ہشنغر کے بالائی علاقے سے ہو کر دریائے سوات عبور کریں اور نہکر ماہوزائی کے متوازی جو یوسف زئی اور محمد زئی خیمہ زن ہیں ان پر چھاپہ ماریں جب اگلے سال دوبارہ آئیں گے تو یہاں کے افغانوں کی طرف سب سے پہلے توجہ دیں گے۔ (صفحہ:376) بابر بات جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگلے دن جب بدھ تھا سواد کے سلطان ویس اور سلطان علاؤ الدین کو خلقت ہائے فاخرہ سے نوازا اور گھوڑے دیئے اور انہیں رخصت کیا گیا۔ ہم خود باجوڑ روانہ ہوئے اگلی صبح روانہ ہوئے اور شاہ منصور کی بیٹی فوج کی واپسی تک قلعہ باجوڑہ میں چھوڑی ابھار اور ایک اونچے کوتل سے گذرے اور تقریباً سہ پہر کو پانی مالی (یہ لفظ پہلے پانی مانی لکھا گیا ہے۔پشتو مترجم) میں اترے۔ افغان بردی چند دیگر افراد سمیت آگے بھیجے گئے تا کہ حالات معلوم کرسکیں جیسا ہمارے اور افغانوں کے درمیان فاصلہ کم تھا لہٰذا بروقت آگے نہیں جاسکے۔ افغان بردی اگلی صبح واپس آیا وہ ایک افغان پر غصے ہوا تھا اور اس کا سر تن سے جدا کیا تھا اور راستے میں پھینکا تھا وہ کوئی قابل بھروسہ معلومات نہیں لا سکا، دوپہر ہوئی ہم روانہ ہوئے دریائے سواد سے گزرے اور ظہر کے وقت کے قریب اترے عشاء کے وقت دوبارہ سوار ہوئے اور تیزی سے روانہ ہوئے۔

رستم ترکمن کو حالات معلوم کرنے کی غرض سے بھیجا تھا سورج ایک نیزہ اوپر تھا کہ جب اس نے خبر پہنچائی کہ افغانوں کو ہماری آمد کی اطلاع ہوئی ہے اور اپنا مقام تبدیل کر رہے تھے ایک گروہ ایک پہاڑی راستے پر روانہ ہوا تھا ہم نے اس کا پیچھا کیا کئی حملہ آور اس کے پیچھے کئے ان میں سے چند افراد ہلاک ان کے سر تن سے جدا کئے۔ کئی قیدی اور چند جانور بھی ساتھ لائے دلزاک افغانوں نے بھی چند افراد (افغان) کے سر تن سے جدا کئے اور لے آیا اگلی صبح روانہ ہوئے اور کتلنگ اور مقام کے درمیان پیدل روانہ ہوئے

(صفحات:376-377)

بابر یہاں ایک زیارت کی تباہی کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ "گزشتہ تیس 30 یا چالیس 40 برسوں میں ایک گمراہ شہباز نامی قلندر نے کئی یوسف زئیوں اور

دلزاکوں کو گمراہ کیا تھا اس کی زیارت مقام کے پہاڑ کی ایک پہاڑی کے اوپر، جس پر آس پاس کے علاقوں کا راستہ تھا واقع تھا۔ میں نے سوچا کہ یہ گمراہ قلندر کون ہے جس کی زیارت ایک ایسی کھلی فضا میں واقع ہے۔ حکم دیا کہ یہ زیارت تباہ اور برباد کر دی جائے یہ ایک ایسی خوبصورت جگہ تھی کہ ہم کچھ وقت وہاں ٹھہرے اور معجون کھائی۔ (صفحہ:377)

بابر اس کے بعد ایک مرتبہ پھر ہندوستان کا رخ کرتے ہیں لیکن وہاں ایک مہینے سے زیادہ نہیں ٹھہرتے اور تیرہ 13 مارچ 1519ء کو دوبارہ کابل کیلئے روانہ ہوتے ہیں جب چھبیس 26 مارچ کو بگرام (پشاور) پہنچتے ہیں وہاں دلزاک پشتونوں کے سرداروں سے پھر ملتے ہیں وہ اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ "یہاں دلزاکوں کے چھ سرکردہ افراد میں سے ہر ایک کو سو سو مثقال چاندی، کپڑے، تین عدد بیل، ایک ایک بھینس جو ہندوستان میں ہاتھ آئے تھے دیئے گئے۔ ان لوگوں کے سرداروں میں سے ایک خان موسیٰ تھا دیگر کو ان کی حیثیت کے مطابق ہر ایک کو پیسے، کپڑے، ایک ایک عدد بیل اور ایک ایک بھینس دی۔ جب اگلی صبح علی مسجد میں پیدل ہوئے ایک معروف نامی یعقوب خیل دلزاک افغان نے دس دنبے اور بھیڑ، دو بھار چاول اور آٹھ عدد کشمش پنیر کی ٹکیاں بطور تحفہ دی۔ (صفحہ:394)

بابر اپریل کے شروع میں دوبارہ کابل پہنچتے ہیں اور وہاں مئی کے اواخر میں یوسفزئی سرداروں سے ملاقاتوں کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ پیر کے روز مہینے کی تیئسویں 23 تاریخ کو ملک شاہ منصور یوسف زئی چھ سات دیگر یوسف زئی سرداروں سمیت سواد سے آ کر میری خدمت میں حاضر ہوئے پیر کے روز جمادالثانی کی پہلی تاریخ کو ملک شاہ منصور کی قیادت میں آئے ہوئے یوسف زئی سرداروں کو خلعتیں دی گئیں، ملک شاہ منصور کو ایک لمبی ریشم کی قباء اور ایک جبہ تسمے سمیت دیا گیا ایک اور ملک کو ایک قباء جس کی آستین ریشم کی تھی دیا گیا اور چھ دیگر افراد کو ریشمی قبائیں دی گئیں۔ تمام کو رخصت کر دیا اور اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ سواد میں ابوھانہ سے آگے مداخلت نہیں کریں گے اور اس کے علاقے کے تمام کسانوں کو اپنی صفوں سے نکال دیں گے اور اسی طرح باجوڑ اور سواد کے افغان کاشت کار

گدھے کے بھار کے برابر چھ ہزار بھار چاول (بابر) کو بطور مالیہ دیں گے۔

(صفحہ:399-400)

ستائیس 27 جولائی کو بابر اس لئے گردیز کے پشتونوں پر حملے کا ارادہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ''گردیز کی سرحد کے عبدالرحمٰن افغانوں کی طرف سے نہ ٹیکس اور نہ ہی اس کا سلوک قابل اطمینان تھا اور قافلوں کو بھی نقصان پہنچاتا تھا۔

انیس رجب کو بدھ کے دن اس ارادے سے روانہ ہوا کہ ان پر حملہ کردیں......

حملہ شروع ہوا ایک گروہ (جنگی سپاہ) گردیز کے جنوب مشرق کی طرف کزماش کے پہاڑوں کی طرف چل پڑے مرکز کی بائیں طرف رہبری کا فریضہ خسرو میرزا کو سونپا گیا، اس کے پیچھے پیچھے سید علی تھا اکثر افواج مشرق میں گردیز کی طرف ایک درے میں آگے بڑھے، ان کے پیچھے سید قاسم دربان میر شاہ قوچین۔ قیام (اردو شاہ بیگ؟) ہندو بیگ قتلق قدم اور حسین کی افواج تھیں۔ چونکہ اکثر فوج درے تک پہنچ چکی تھی۔ مَیں بھی کچھ فاصلے سے ان کے پیچھے تھا درے کے لوگ یقیناً مزید آگے ہوں گے اور جو (جنگی سپاہ) روانہ ہو چکی تھیں ان کے گھوڑے انتہائی تھک چکے تھے اور کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آیا تھا۔ کچھ چالیس پچاس کے قریب افغان پیدل میدان میں نمودار ہوئے جو سپاہی فوج کے پیچھے جا رہے تھے ان کے پیچھے گئے ایک قاصد میری طرف بھیجا گیا اور میں فوراً وہاں روانہ ہوا جس حسین نے اکیلے بے وقوفی اور بے خیالی سے اپنا گھوڑا دوڑایا ان کی صفوں میں گھسا اور تلوار نکال لی۔ انہوں نے اس کے گھوڑے کو مار دیا اور اسے نیچے گرا دیا جب اٹھنے والا تھا (ایک افغان) نے حملہ کیا اور اور چھریوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ (جنگی سپاہ) لاپرواہ کھڑے تھے اور اس کی مدد نہیں کی میں نے جب یہ بات سنی تو مزید تیزی سے آگے بڑھا اور بعض قریبی لوگوں اور سر بازوں کو گدائی تغائی۔ پائندہ محمد قیلان۔ ابوالحسن اسلحہ بردار اور مومن اتکہ کی سربراہی میں ان کے پیچھے بھجوائے۔ مقیم اتاکہ پہلا شخص تھا جس نے ایک افغان کو گرایا اس کا سرتن سے جدا کیا اور لے آیا ایک پر حملہ کیا نیچے گرایا سرتن سے جدا کیا اور لے آیا یہ چالیس پچاس افغان سب تلواروں اور تیروں سے ٹکڑے

ٹکڑے کر دیئے گئے۔ان سب کا کام تمام کرنے کے بعد ہم کہ ن فصل میں داخل ہوئے اور حکم ہوا کہ (افغانوں کی) سروں سے مینار کھڑا کیا جائے.........جو سپاہی کرماش گئے، بھیڑ بکریاں اور مال غنیمت ساتھ لائے۔ان سپاہیوں میں سے ایک بابا قاشقہ مغول تھا ایک افغان نے ان کے پیچھے تلوار نکالی وہ اپنے مقام پر کھڑے ہو کر تیر سے نشانہ لیا، حملہ کیا اور اسے نیچے گرادیا''۔(صفحات:403-404)

بابر اسی سال آٹھ ستمبر کو یوسف زئیوں پر قابض ہونے کے ارادے سے روانہ ہوتے ہیں جب سلطان پور سے آگے بڑھتے ہیں ایک۔۔۔۔دلزاکوں کے سرداروں سے ملاقات کرتے ہیں۔بابر خود کہتے ہیں کہ''سلطان پور سے آگے ٹھہرے اسی روز دلزاکوں کے سردار بو خان اور موسیٰ آئے میرا پروگرام سواد کے یوسف زئیوں کو زیر کرنا تھا لیکن ان سرداروں نے بتایا کہ اشنغر میں ایک بہت بڑی قوم آباد ہے اوران کے پاس بہت بڑی مقدار میں اناج ہے انہوں نے اشنغر جانے پر بہت زیادہ زور دیا مشورے کے بعد فیصلہ ہوا کہ جیسا کہا جاتا ہے کہ اشنغر میں بہت بڑی مقدار میں اناج ہے لہٰذا اس علاقے کے افغانوں پر حملہ کرنا چاہئے۔اشنغر اور پرشاور (پشاور) کے قلعے کے لوگوں کو سبق سکھانا چاہیئے۔اور اناج کا ایک حصہ (ان قلعوں میں) کو محفوظ رکھنا چاہیئے۔(صفحہ:409-410)

اگلی صبح خیبر کی کوتل (پہاڑ کے اوپر گزرگاہ) کے نیچے ٹھہرے (پرسوں) درہ خیبر سے گزرے اور علی مسجد میں ٹھہرے.............(اگلے دن) جب قاصدوں نے اطلاع دی کہ افغانوں کو ہماری آمد کی اطلاع ہوئی ہے اور وہ بھاگ گئے ہیں ہم مزید آگے بڑھے دریائے سواد پار کیا اور افغانوں کی فصلوں میں داخل ہوئے (لیکن جس مقدار میں اناج کی اطلاع ہمیں دی گئی تھی) اس سے آدھا کیا چوتھائی بھی وہاں نہیں تھا.............وہ دلزاک افغان (اس حملے کیلئے) جو انہوں نے ہمیں دعوت دی تھی، شرمائے۔۔۔۔صبح دریائے سواد کے کنارے سے روانہ ہوئے۔دریائے کابل پار کیا اور ٹھہر گئے (وہاں ہم نے) فیصلہ کیا کہ ان افریدی افغانوں پر حملہ کیا جائے جن کا سلطان بایزید نے ذکر کیا تھا قلعہ پرشاور (پشاور)

کو ان کے مالوں اور غلوں سے بھر دینا چاہیئے اور کسی کو اسے محفوظ رکھنے کیلئے مقرر کرنا چاہیئے۔(صفحات: 411-412)

بابر دو اکتوبر کو خیبر پار کرتا ہے اور کابل واپسی کے راستے خضر خیل پشتونوں پر حملہ کرتا ہے اور خود اس حملے کا جواز یہ پیش کرتا ہے کہ ''خضر بہت برے اعمال کرتے تھے لشکر کے آنے جانے کے دوران (خضر خیل) وہ پیچھے رہ جانے والے سپاہیوں پر حملے کرتے تھے اور ان سے گھوڑے چھین لیتے تھے لہٰذا یہ ایک جائز اور برمحل اقدام تھا کہ انہیں (خضر خیل) سزا دی جائے اسی ارادے سے علی الصبح (خیبر کے) کوتل سے روانہ ہوئے دوپہر کا کھانا غلامان (باسو) میں کھایا، اپنے گھوڑوں کو چارہ ڈالنے کے بعد ظہر کی نماز کی ادائیگی کیلئے دوبارہ ٹھہرے موحسین اسلحہ بردار کو کابل روانہ کیا کہ وہاں تمام خضر خیلوں کو قید کر لیں اور مال و دولت کا حساب کتاب مجھے پیش کر دے، ہم آدھی رات تک سفر کرتے رہے اور یہ بات معلوم تھی کہ خضر بھار (وبھارہ) اور مچگرام سے آگے کڑاسو تک آباد ہیں (چار اکتوبر) کو علی الصبح سے پہلے نیچے حملہ شروع ہوا خضر خیلوں کا اکثر مال اور بچے لشکر کے ہاتھ آئے اگلی صبح قیلاغو میں قیام کیا........وزیر افغان جتھوں نے کبھی ٹھیک مالیہ ادا نہیں کیا تھا اور (وزیروں پر) حملوں نے خوف زدہ کیا تھا تین سو بھیڑ بکریاں لے آئے۔

کل اور پرسوں شموخیل اور خیر یلچی افغانوں کے سردار آئے دلزاک افغانوں نے ان کیلئے معافی کی درخواست کی اور ہم نے بھی معاف کر دیا۔ان کے قیدی رہا کر دیئے چار ہزار بھیڑ بکریاں بطور مالیہ ان پر عائد کر دیا گیا ان کے سرداروں کو قباء دیئے دگئے۔ محصلین کو منتخب کر کے بھیڑ بکریاں لانے کے لئے روانہ کر دیا (صفحہ: 413)

پشتونوں سے متعلق بابر کی متفرق یادداشتیں

بابر نے پشتونوں کے بابت کئی متفرق یاداشتیں بھی قلم بند کی ہیں۔ ہم ان یاداشتوں کا ذکر الگ طور پر کرتے ہیں۔ جب بابر کابل کے مختلف طائفوں کا ذکر بابر نامے میں بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں بیرونی اطراف.......اور دیہاتوں میں پشئی۔ پراچی۔

تا مک اور افغان قبائل آباد ہیں۔ جنوب کی طرف افغانی قبائل کے یہات ہیں.........کابل میں دس بارہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ مغولی۔ ہندی۔ افغانی۔ پشئی۔ پراچی۔ برکی اور لمغانی......(لغمان میں) سب سے بڑا ننگھار ہے جب کبھی کبھار تاریخوں میں ننگہ ھار نقل ہوا ہے جس کا محافظ یا نگران کی جگہ ادینہ پور میں ہے جو کابل کے مشرق میں ایک بہت خراب سڑک پر واقع ہے جب تک (اس سڑک کی) طرف آبادی نہیں تھی خیر یلچی ....اور دیگر افغان لوٹ مار کرتے تھے'' (صفحات 207-208)

جب بابر غزنی کی بابت بحث کرتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ ''غزنی کے علاقے میں ہزارہ اور افغان آباد ہیں........جن کے لوگ مذہباً حنفی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اور مسلمان ہیں اکثریت تین مہینے تک روزے رکھتے ہیں'' (صفحہ:218) پھر لکھتے ہیں کہ ''جس سال کابل اور غزنی پر قبضہ کیا۔ کوہاٹ، بنوں اور افغانوں کی زمینوں پر ہلہ بول دیا دوکی اور آب ایستادہ کے راستے غزنی گیا'' (صفحہ:218)

ایک اور جگہ برمل کے بارے میں رقم دراز ہے کہ ''برمل ایک اور نسبتاً پسماندہ علاقہ ہے لیکن اس کے سیب جو زیادہ برے نہیں ہیں۔ ہندوستان برآمد کیے جاتے ہیں۔ شیخ محمد سلیمان کے اہل خانہ جن کو افغانوں کے دور میں ہندوستان میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، یہاں ہی کے تھے (صفحہ:220) مزید لکھتے ہیں کہ ''بنگش ایک اور مقام ہے جس کے آس پاس سب افغان لوٹ مار مثلاً خوگیانی، خبر یلچی، توری اور لنڈر (غالباً انڈڑ) آباد ہیں۔ چونکہ یہ مقام راستے سے ہٹ کر واقع ہے لہٰذا وہاں کے لوگ مالیہ ادا نہیں کرتے ہیں۔ البتہ ابھی تک ان کو تابع کرنے کی فرصت نہیں مل سکی ہے۔.........انشاء اللہ جب موقع ملے گا ضرور بنگش چوروں کا بندوبست کروں گا۔ (صفحہ:220)

ایک اور جگہ جب کابل کے قبائل کی بات کرتے ہیں تو رقم دراز ہے کہ ''جیسا کہ خراسان کے علاقے میں ترک اور مغل اقوام (ایماق) آباد ہیں اسی طرح کابل میں ہزارہ اور افغان آباد ہیں''۔ (صفحہ:221)

جب 1506ء کے حالات سے متعلق بحث کرتے ہیں تو الپشنگ اور الینگار میں اپنے دو حاکموں کے رویے کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ پورے سرما میں (ناصر میرزا کے) شراب اور وقت گزاری کے ساتھ تھے اس طرح انہوں نے یہاں کے ترکلان افغانوں پر بھی حملہ کیا۔ موسم گرما شروع ہوتے ہی میرزا نے ان بیرونی قبائل اور گروہوں پر حملہ کیا جو سرما ننگھار اور لمغان میں گزارتے تھے اور ان کو جانوروں کی طرح اپنے کاموں سے آگے کر کے دریائے باران تک پہنچائے''۔ (صفحہ: 241)

(یہ ترکلانی 926ھ میں مندراوڑ میں آباد تھے صفحہ: 241،۔ حاشیہ: 1)

جب بابر 1506ء کے واقعات کے بیان کے ضمن میں اپنے ایک افسر باقی چغانیاں کے قتل کی نسبت اس کے حالات کے بارے میں بات کرتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ'' اس کے کچھ محافظوں نے اسے خیبر سے گزار کر وہ واپس آئے وہ لگیانیوں کے ایک قافلے کے ساتھ ہوا اور نیلاب کی طرف بڑھا۔ دریا خان ولد یار حسین جو اس وقت کچہ کوٹ (حسن ابدال کے قریب) میں تھا میرے اس فرمان کی بنیاد پر جو اسے کوہاٹ میں دیا تھا کئی دلزاک اور یوسف زئی افغان........ جمع کیے تھے۔ (صفحہ: 250)

پھر جب فروری 1519ء میں اباسین پار کرتے ہیں اور بھیری جو اب صوبہ پنجاب کے ضلع شاہ پور میں واقع ہے، تک پہنچتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس علاقے کے'' کئی افغان سرداروں کو اپنے ایک سردار لنگر خان سمیت بھیری کے لوگوں کے پاس بھجوائے تاکہ انہیں تسلی دیں''۔ (صفحہ: 381)

ایک اور جگہ دوبارہ بھیری کے حالات کی ضمن میں لکھتے ہیں کہ'' ہم ابھی تک روانہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ کئی ہندوستانی اور افغانی اکٹھے ہوئے اور ہندو بیگ کے خلاف قدم اٹھایا...... ہندو بیگ مزاحمت نہیں کر سکا.......... واپس کابل آیا''۔ (صفحہ: 399)

باب نمبر:8

افغانستان

جبال الافغانیہ ۔ کشور افغان ۔ روہ ۔ پشتونخوا۔

کئی مؤلفین اور تاریخی مطالعات کے شاگردوں نے یہ خیال کیا ہے کہ گویا افغانستان کا نام اٹھارویں عیسوی صدی کے نصف کے بعد سے مروج ہوا ہے۔ لیکن قدیم اسلامی آثار کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ 'افغانستان' افغانوں کے ملک کے معنوں میں چودھویں عیسوی صدی سے پہلے بھی مروج تھا۔

انگریز مستشرق ہنری والٹر بیلو نے اپنی کتاب ''افغان قوم شناسی کا مطالعہ'' میں جو کہ 1891ء میں مکمل ہوئی تھی میں اس وسیع علاقے کی حدود کو واضح بتانے کے بعد جو اس کے دور کے افغانستان کی تشکیل کرتا ہے، لکھتے ہیں ''افغانستان کا نام عصر جدید میں ایرانیوں نے وضع کیا ہے، اگرچہ افغان تاریخ میں حتیٰ کہ آٹھویں عیسوی صدی کے شروع سے ایک الگ قوم کی حیثیت سے اپنی پہچان رکھتی ہے۔ البتہ ان کی آٹھویں عیسوی صدی کے نصف یعنی اس وقت تک اس نام سے یاد نہیں ہوا تھا جب تک اپنے ایک پشتون بادشاہ کی سربراہی میں خود مختار ہوا۔

نادر شاہ افشار جس نے اس علاقے کو فارس کی قلمرو میں شامل کیا وہ شخص تھا جس

نے (اس علاقے کی) شمالی حصے یعنی ان کے باسیوں کی اکثریت کی بنیاد پر افغانستان کہا اور جنوبی حصہ کو اسی دلیل کی بنیاد پر بلوچستان کے نام سے یاد کیا''۔(1)۔

جیسا کہ ڈاکٹر حسن کاکڑ اپنے ایک رسالے میں لکھتے ہیں کہ'' افغانستان کا معروف لکھاری احمد علی کھزاد بھی ایک جگہ کہتے ہیں کہ افغانستان ایک تازہ اور بالکل جدید نام ہے اور اس کا ماضی 150 سال سے آگے نہیں جاتا''۔(2)۔

ایک ایرانی لکھاری محمود افشار یزدی تو کمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ افغانوں کا ملک انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں افغانستان کے نام سے یاد ہوا ہے وہ لکھتے ہیں۔

'' جو ملک افغانستان کے نام سے موسوم ہے اور ایران کے مشرقی علاقے کے ایک حصے اور ولایت خراسان میں تشکیل ہوا ہے، تاریخ میں اس کا کوئی سابقہ نہیں............اور جیسا کہ کئی افغانی امراء نے انیسویں عیسوی صدی کے اواخر میں اس علاقے پر تسلط حاصل کیا اور کچھ عرصے کیلئے حکمرانی کی، لہٰذا اس بناء پر یہ جگہ افغانوں کی حکومت اور بعد میں افغانستان کہلانے لگا''۔(3)

ظفر کاکاخیل کی رائے بھی یہی ہے کہ چنگیز خان کے دور سے لے کر بابر کے دور تک حتیٰ کہ اس کے بعد زمانے تک 'افغانستان' کی کوئی الگ تاریخ نہیں ہے اور نہ ہی ان ادوار میں یہ وطن اس نام سے مشہور تھا''۔(4)

لیکن معتبر اسلامی آثار ظاہر کرتے ہیں کہ 'افغانستان' کا نام افغانوں کے ملک کی حیثیت سے اٹھارویں عیسوی صدی سے بہت پہلے مروج تھا اور جو علاقہ شمال کو دریائے آمو تک۔ جنوب کو بحیرہ عرب کے ساحل کی حدود تک مغرب کو کرمان اور مشرق کو حسن ابدال تک جا پہنچتا ہے، کبھی ایک اور کبھی دوسرا اور کبھی تقریباً تمام حصہ 'افغانستان' کے نام سے موسوم ہوا ہے۔ لیکن کہنا چاہیئے کہ افغانوں سے منسوب علاقہ ہمیشہ اور صرف افغانستان کے نام سے یاد نہیں کیا گیا ہے بلکہ اسلامی دور کے مختلف ادوار میں یہ علاقہ دیگر ناموں سے بھی منسوب رہا ہے مثلاً 'جبال الافغانیہ' یا 'جبال الافاغنہ' 'کشور افغان' 'حد افغان' 'مرز افغان' 'روہ' اور

پشتونخوا' یہاں پہلے موخر الذکر ناموں پر بحث کی جائے گی اور بعد میں لفظ 'افغانستان' کا مفہوم اور تاریخ پر بحث کی جائے گی۔

جہاں تک مجھے علم ہے ابوریحان البیرونی اسلامی دور کا اولین مؤلف ہے جس نے 'جبال الافغانیہ' کا ذکر کیا ہے پہلے اپنی معروف کتاب 'تاریخ ہند' جس کو 421ھ ق میں پایہ تکمیل تک پہنچائی ہے میں قدیم ہند کی مغربی سرحد کی مغربی علاقے میں افغان آباد سمجھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ان کے مختلف قبائل سندھ کے پڑوس تک پھیلے ہوئے ہیں۔(5)۔

وہ بعد میں ایک اور کتاب 'صیدنہ' میں جو 1050ء کے آس پاس لکھی گئی ہے اس علاقے کو دوبار 'جبال الافغانیہ' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ایک جگہ اسطوخوذوس نامی پودے کی توضیح کی ضمن میں لکھتے ہیں کہ '' اس کی بہترین قسم وہ ہے جس کے سبز پتے ہیں............یہ قسم دھک کی طرف(6) ہند کی سرز میں کی پرشاور (پشاور) اور جبال الافغانیہ کے درمیان اُگتا ہے''۔(7)۔

اسی کتاب میں ایک اور زیتون کی تعارف کی ضمن میں لکھتے ہیں'' وحشی زیتون جو کہ جبال الافغانیہ میں (انگریزی مترجم نے جبال الافغانی کی معنی افغانستان کے پہاڑ درج کئے ہیں) اُگتے ہیں جس کے چھوٹے چھوٹے دانے ہیں''۔(8) شیخ ربوہ (وفات 727ھ ق) بھی خوبصورت پیرائے میں اسی علاقے کو جبال الافاغنہ کہتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ'' تیسرا اقلیم چین کے شمال مشرق سے .....اور جبال الافاغنہ (9) اور ملتان سے سندھ تک واقع ہے''۔(10) غزنوی دور کے عظیم قصیدہ نگار مسعود سعد سلمان (448 - 515ھ ق) نے افغانوں کے ملک کو کشور افغان کے نام سے یاد کیا ہے وہ غزنوی دور کے ایک عظیم سالار علی خاص کی تعریف میں کہتے ہیں۔

شکستہ گشت بہ تیغ تو لشکر کفار

خراب شو بہ سپاہ تو کشور افغان (11)

البتہ شاہنامے کے ملحقات کا ورک نامی شاعر جس کی زندگی کا تعین چھٹی ھجری صدی میں ہوئی

ہے وہاں جب ایک افغان سردار کک کے ساتھ جنگ رستم کو بیان کرتا ہے افغانوں کی ملک کو مرز افغان کے نام سے یاد کرتے ہیں اور رستم کی زبانی لکھتے ہیں۔

همه مرزافغان به هم برزنم

بدین دژ زکین آتش اندر زنم (12)

محمد بن محمود بن احمد طوسی جس نے عجائب المخلوقات اسی صدی یعنی 555 سے 562ھ ق تک لکھی ہے افغانوں کے ملک کو حد افغان کے نام سے یاد کرتے ہیں۔اور لکھتے ہیں کہ '' افغانوں کی حد میں رگز کی جنگل ہے جس میں ایک ایسا درخت ہے جس کی موٹائی سترہ ارش ہے......... یہ برہمن کا درخت کہلاتا ہے اور افغان اس کو سجدہ کرتے ہیں ۔(13)۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم آثار میں کبھی کبھار افغانوں کے ملک کو صرف اوغان کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

ارزقی هروی پانچویں هجری صدی کی پہلی نصف کا شاعر اور سلجوقی خاندان کا مداح اس قصیدے میں جو کہ آلب ارسلان محمد سلجوقی کے بیٹے طغانشاہ (وفات 465ھ) کی تعریف میں لکھی گئی تھی میں کہتے ہیں۔

زهری گرسوی افغان شوی ای باد شمال

باز گویی زهری پیش ملک صورت حال (14)

اوپر ذکر شدہ یادداشتوں کے نتیجے میں پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ افغانوں کا ملک سینکڑوں سالوں سے جبال الافغانیہ، کشور افغان، مرز افغان، حد افغانیان اور افغان کے نام سے یاد ہوا ہے اور نہ ان سیاسی معنوں یا دیگر معنوں کہ یہ نام افغانوں کے وطن کے معنی رکھتا ہے اور کسی ایسے علاقے میں اس کا اطلاق نہیں ہوا ہے جس نے سیاسی حدود محدود کر دیئے ہوں جن کے باسیوں کی اکثریت پشتونوں یا افغانوں کی ہو۔لیکن بہت سی دیگر اقوام بھی اسی ایک ہی وطن میں ان کے ساتھ مشترکہ طور پر آباد ہیں۔ایک اور نام جس کا

نہایت وسیع انداز میں افغانوں یا پشتونوں کے ملک پر اطلاق ہوا ہے وہ 'روہ' ہے۔

منسٹورٹ الفنسٹن 'روہ' کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس لفظ کا پنجابی میں مطلب پہاڑ ہے اور اس نے بعض انگریزی کتب میں دیکھا ہے لیکن سنا نہیں ہے، وہ کہتے ہیں کہ افغانوں تک یہ نام ان کتابوں کے ذریعے پہنچا ہے جو ہند میں لکھی گئی ہیں۔(15) لیکن ہنری راورٹی کہتے ہیں کہ جو بھی ڈیرہ جات میں رہائش پذیر ہوا ہو اس کیلئے 'روہ' اپنے گھر کے ایک برتن یا کپڑوں کی طرح واقف نام ہوگا لیکن جن انگریزوں کو یہ موقع نہیں مل سکا ہے جو انتہائی مغرب کی طرف اپنی خدمات سر انجام دیں وہ زیادہ واقفیت نہیں رکھتے ہوں گے۔۔(16)

ہنری بیلو کہتے ہیں کہ چی اہل ہند افغانوں کے ملک کو 'روہ' کہتے ہیں اور ہندی میں 'روہ' کا مطلب پہاڑ ہے، روہ کے باسیوں کو 'اہل روہ' یا 'روہیلہ' یعنی روہ کے باسی کہتے ہیں۔(17)

اولف کیرو کہتے ہیں کہ لفظ 'روہ' جو کہ افغانوں کے ملک کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جنوبی پنجابی میں اس کا مطلب پہاڑ ہے، ملتان اور ڈیرہ جات کے بلوچ قبائل بھی استعمال کرتے ہیں۔(18) لیکن جب میں نے وائس آف امریکہ کے ہندی اور پنجابی نشریات کے کارکنوں سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ روہ کا مطلب نہ ہندی اور نہ ہی پنجابی میں پہاڑ ہے۔

سب سے قدیم کتاب جس میں میں نے 'روہ' کا نام دیکھا ہے وہ تاریخ داؤدی ہے جس کو عبداللہ نے 1575ء سے 1576ء تک تالیف کی ہے، عبداللہ 'روہ' کا نام شیر شاہ کے حالات کے ذکر کے بیان کے ضمن میں یاد کرتے ہیں اور لکھتے ہیں ''جب سلطان بہلول حکمرانی تک پہنچے 'روہ' جو کہ افغانوں کا مسکن ہے سے بہت سے افغان طلب کئے بابائے فرید جس کا نام ابراہیم تھا 'روہ' سے ہندوستان آئے''۔(19)

ہند کے مغل دور کے اور بہت سے مؤلفین نے روہ کا نام یاد کیا ہے ان میں سے ایک مؤلف عباس سروانی ہے جس نے تاریخ شیر شاہی 1579ء کے کچھ عرصہ بعد لکھی ہے وہ

'روہ' افغانوں کے ملک کی حیثیت سے مسلسل یاد کرتے ہیں، اور ایک جگہ اس حکم نامے کو یاد کرنے کے بعد جو کہ ملک بہلول نے ہند کو پشتون سرداروں کو طلب کرنے کے لئے صادر کیا تھا لکھتے ہیں'' جب یہ حکم نامہ پہنچا افغان ......'روہ' کے تمام حصوں سے گروہ در گروہ (ہندوستان)......آئے''۔(20)

خواجہ نظام الدین احمد بھی جس نے طبقات اکبری 1592ء سے 1594ء تک لکھی ہے'روہ' کا نام لیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ'' جب سلطان بہلول حکمرانی تک پہنچے تو بہت بڑی تعداد میں افغان'روہ' سے جو افغانوں کا ملک ہے طلب کئے''۔(21)

تاریخ فرشتہ میں بھی (تالیف 1609ء) 'روہ' نام مسلسل یاد ہوا ہے۔ ایک جگہ لکھا گیا ہے کہ'' سوری خاندان کا ایک مرد..........روہ' کے افغانوں میں آباد ہوا''۔(22)

خواجہ نعمت اللہ ہروی نے بھی لفظ'روہ' بار بار استعمال کیا ہے اور ایک جگہ سلطان شہاب الدین کی فتوحات کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ'' تیسری دفعہ وہ افغان قبائل کے بارہ ہزار ......سوار اپنے ساتھ لائے، سلطان شہاب الدین نے یہ لوگ'روہ' کے پہاڑی علاقے میں حتیٰ کہ ملتان کی سرحد تک آباد کئے''۔(23)

'روہ' کا نام قدیم پشتو اشعار میں بھی بہت یاد ہوا ہے۔ اور ان پشتون شعراء نے جنہوں نے ہند میں پردیس کی زندگی گزاری ہے'روہ' کی یاد میں سوز بھرے اشعار لکھے ہیں۔ کاظم خان شیدا کہتے ہیں

پہ زڑہ می گر حئی د غرو نو چوکی
حملے د بازو دزر کو کوکی
ووایہ چہ کا دروہ نسیمہ
گیرا منگولی زیباء مشوکی (24)

ترجمہ دل میں بار بار پہاڑوں کی چوٹیاں یاد آتی ہیں

چکوروں پر شاہین کے حملے اور ان کی چیخ وپکار کیوں

کیا کرتے ہو اے 'روہ' کی باد نسیم

گیرا پنجے اور خوبصورت چونچ

اشرف خان ہجری کہتے ہیں:

دزڑه بازئی تل د روه پر جمکه گرځئی

که هجري په دکن ناست خالي بدن دئی (25)

ترجمہ: دل کا شاہین ہمیشہ 'روہ' کی سرزمین پر گھومتا ہے

اگرچہ ہجری دکن میں خالی جسم بیٹھا ہے

خوشحال خان خٹک بہت سے فارسی اشعار میں اپنے آپ کو 'روھی' کہتے ہیں

چه شرا بیست این که روهی را

به یکی جرعه بیی خبر کر دی (26)

لیکن یہ کہ 'روہ' کون سا علاقہ ہے اس بارے میں بھی ان کتابوں میں جو بابر کے زمانے کے بعد ہند میں لکھی گئی ہیں، میں بہت سی وضاحتیں کی گئی ہیں۔ لیکن سب سے قدیم کتاب جس میں میں نے 'روہ' کی تعریف پڑھی ہے وہ عبداللہ کی تاریخ داؤدی ہے۔ تاریخ داؤدی میں ایک جگہ مذکور ہے کہ روہ کی لمبائی سواد بجور (سوات۔ باجوڑ) سے لیکر بھکر کے نزدیک قصبہ سیوئی تک اور چوڑائی حسن ابدال سے لیکر کابل اور قندھار تک ہے اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے اسے 'روہ' کہا جاتا ہے۔ (27)

نظام الدین کی طبقات اکبری، محمد قاسم کی تاریخ فرشتہ اور نعمت االلہ ہروی کی مخزن افغانی میں بھی بالکل ان کی طرح تعریفیں کی گئی ہیں۔ (28) لیکن نواب محبت خان بڑیچ جس نے ریاض المحبت 1806ء میں مکمل کی تھی اور اس ضمن میں اصولاً اہل صلاحیت ہے 'روہ' کو ایک عظیم مملکت قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ''مشرق کی طرف کشمیر تک مغرب کی طرف هیر

مند تک جو کہ ڈھائی مہینے کا سفر ہے واقع ہے۔شمال کی طرف کاشغر تک اور جنوب کی طرف بلوچستان تک واقع ہے (یہ) افغانوں کا ملک ہے اور افغان اس میں آباد ہیں''۔(29)

افغانوں یا پشتونوں کے ملک کا ایک اور نام پشتونخوا ہے جو اکثر خود پشتونوں نے استعمال کیا ہے۔

اخون درویزہ کا مخزن الاسلام جو کہ 1603ء اور 1612ء کے درمیان لکھی گئی ہے اسلامی دور کی پہلی کتاب ہے جس میں لفظ 'پشتونخوا' تسلسل کے ساتھ موجود ہے اور پشتونخوا اور پشتونخا کی شکل میں درج ہے۔درویزہ ایک جگہ بایز دروشان پر بحث کے ضمن میں سید علی ترمذی کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ''بونہر میں حضرت سید علی ترمذی تھے پشتونخوا رات کی مانند تھا اور اور وہ اندھیرے میں چراغ تھے وہ پشتونخوا کا ہمدرد اور دنیا میں نیک خواہ تھے''۔(30)

آگے جا کر جب مغل اکبر اور بایزید روشان کے بیٹے جلال الدین کے تصادم پر بحث کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ جلال الدین'' نے یہ ڈنگا مارا کہ پشتونوں کا بادشاہ ہوں........ پشتون اس کے گرد اکٹھے ہوئے لیکن وہ بھی پشتونخا کیلئے آفت ثابت ہوئے''۔(31)

احمد شاہ بابا کے اس دیوان میں بھی لفظ پشتونخوا آیا ہے جو کہ عبدالحیٔ حبیبی مرحوم کی ہمت سے 1319ھ ش میں چھپی تھی لیکن یہ غزل احمد شاہ بابا کے ان قلمی دیوانوں کے نسخوں میں جو ہمیں میسر ہیں موجود نہیں ہے۔حبیبی مرحوم بھی کہتے ہیں کہ یہ غزل احمد شاہ بابا کے دیوان کے ان تین نسخوں کی فہرست میں سے جو انہوں نے چھاپ شدہ دیوان کو ترتیب دیتے وقت استفادہ کیا تھا اور دو دیگر نسخوں میں جن میں ایک کندھار بلدیہ کی لائبریری میں اور دوسرا پشتو ٹولنہ کابل کی لائبریری کی ملکیت ہے میں نہیں ہے۔(32)

احمد شاہ بابا کا چھاپ شدہ دیوان میں لفظ پشتونخوا اس شعر میں آیا ہے۔

د ډهلي تخت هېرومه چې را یاد کړم

زما د ښکلي پښتونخوا دغرو سرونه (33)

ترجمہ: تخت دہلی بھول جاتا ہوں جب یاد کرتا ہوں

اپنے پشتونخوا کے پہاڑوں کی چوٹیاں

عصر احمد شاہ کا معروف شاعر پیر محمد کاکڑ نے بھی لفظ پشتونخوا اپنے شعر میں استعمال کیا ہے جو درج ذیل ہے

لکه شعر دی دده په پشتونخوا کی

بل به کم وه دا وخت دافغان شعر۔(34)

ترجمہ: جیسا کہ شعر ہے اس کا پشتونخوا میں

دوسرا کم ہی ایسا ہوگا اس وقت شعر افغان

البتہ جدید لکھاریوں میں ڈاکٹر لیڈن کا مضمون وہ پہلی سند ہے جس میں مَیں نے لفظ پشتونخوا دیکھا ہے۔ لیڈن نے اس معتبر مضمون میں جو کہ کم از کم دو صدی پہلے (1812ء) میں بایزید روشان کے بارے میں ایشیاٹک تحقیقات کی جلد گیارہ میں صفحہ نمبر پینسٹھ پر چھپی ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں'' بایزید جب ننگر ہار سے روانہ ہوئے پشتنخا یا بمعنی خاص لفظ افغانستان کی طرف روانہ ہوئے''۔(35) بعد میں مغربیوں نے لفظ پشتونخوا کو کثرت سے استعمال کیا ہے اور فرانسوی عظیم سکالر اور مستشرق ڈارمسٹر (1849ء-1894ء) نے پشتو اُولسی غزلوں کے اس مجموعے کا نام بھی'' ھار و بہار پشتونخوا'' رکھا جو کہ پشتونخوا ازیریں (کوزہ پشتونخوا) میں اکٹھے کئے تھے۔

لیکن یہ کہ لفظ پشتونخوا کا قدیم زمانوں میں کس علاقے پر اطلاق ہوا تھا؟ اس بارے میں قدیم کتب میں مَیں نے کچھ نہیں پڑھا ہے البتہ اخوند درویزہ اور دیگر کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ پشتونخوا کی اصطلاح بھی پشتونوں کے ملک کے معنوں میں ہوا ہے۔ اور علاقے کے لحاظ سے بھی 'روہ' کے مترادف یا قریب تر ہوگا، لیکن ہمارے زمانے کے پشتونوں نے پشتونخوا کا نام عموماً اس احاطے کے مفہوم میں استعمال کیا ہے جو کہ آمو سے اباسین اور ھرات سے کشمیر تک واقع ہے۔ وہ اس احاطے کو عظیم پشتونخوا کے نام سے پکارتے

ہیں اور لراور بر پشتونخوا میں تقسیم کرتے ہیں۔ لرہ پشتونخوا اس علاقے کو کہتے ہیں جو کہ خیبر سے اباسین کے کنارے تک واقع ہے اور برہ پشتونخوا اس علاقے کو کہتے ہیں جو کہ خیبر سے دریائے آمو کے کنارے تک واقع ہے۔

لیکن جس نام کا پشتونوں یا قومی اصطلاح میں افغانوں سے منسوب ملک پر زمانہ قدیم سے عام اور تواتر کے ساتھ اطلاق ہوا ہے وہ 'افغانستان' ہے۔ یہ نام تحریری اسناد میں کم از کم چودھویں عیسوی صدی کی پہلی نصف سے ایک خوبصورت وسیع احاطے کے ایک یا دوسرے حصہ پر اس کا اطلاق ہوا ہے اور سیفی ہروی کا تاریخ نامہ ھرات (تالیف 718-721ھق) ظاہراً وہ پہلی معلوم کتاب ہے جس میں لفظ 'افغانستان' موجود ہے۔

سیفی ایک جگہ جہاں ہرات کے بعض گردونواح کے علاقوں میں ملک شمس الدین کرُت کی فوجی کاروائیوں اور بندوبست پر بحث کرتے ہیں کہ ملک شمس الدین نے ایک وفد اس لئے 'افغانستان' بھیجا کہ اس کے اپنے اور ایک چنگیزی حکمران منکوخان کے احکامات 'افغانستان' کے حکمرانوں تک پہنچائے۔ سیفی کہتے ہیں کہ اس حکم نامے میں 'افغانستان' کے حکمرانوں کو لکھا گیا تھا کہ ''عظیم ملوک فخر الدولہ والدین ملک شہنشاہ اور ملک میران شاہ اور ملک بہرام شاہ اور ملک تاج تاج الدین اور ہرمز تری (ترین) اور افغانستان کے سرداروں اور باسیوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ.................تمام یکسوئی سے .... ہمارے پاس آئے''(36)

تاریخ نامے کے شروع سے لیکر آخر تک افغانستان کا نام پینتیس دفعہ 'افغانستان' کی شکل میں اور چوالیسویں اور پینتالیسویں باب میں دو جگہ 'اوغانستان' کی شکل میں درج ہے ان دو ابواب میں لفظ افغان بھی 'اوغان' کی شکل میں درج ہے۔

ابن بطوطہ نے سیفی کی تاریخ نامے کی تالیف سے چند برس بعد (1331ء) میں افغانستان کا نام ذکر کیا ہے۔ ابن بطوطہ کے سفرنامے کا فارسی ترجمہ میں موجود ہے کہ کشلوخان نے فوجیوں کو اکٹھا کرنا شروع کیا اور ''ترکستان، افغانستان اور خراسان کے اتنے لوگ اس

کے گرد اکٹھے ہو گئے کہ.............سلطان کے برابر ہوئے''۔(37)

ضیاء الدین برنی نے ابن بطوطہ سے چند برس بعد تاریخ فیروز شاہی میں (تالیف 1357ء) افغانستان کا نام ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ سلطان کو ''ملتان سے خبر پہنچی کہ شاہو افغان باغی ہو گئے ہیں............سلطان............روانہ ہوئے............شاہو اپنے افغانوں سمیت افغانستان روانہ ہوئے''۔(38)

مطلع السعدین میں (تالیف 872ھ ق-875ھ ق) بھی عصرِ تیموری کے واقعات کے بیان کے ضمن میں افغانستان کا نام لیا گیا ہے اور ایسا درج ہے کہ ''دریائے سندھ اور افغانستان تک (مقامات) صاحب قران کے وقت میرزا پیر محمد بن میرزا جہانگیر کے حوالے ہوئے تھے۔حضرت خاقان سعید..............نے میرزا کے نام کئے''۔(39)

زمچی اسفزاری جس نے روضات الجنات 891ھ ق سے 899ھ ق تک تالیف کی تھی افغانستان کا نام کئی بار یاد کرتے ہیں۔ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''اس تاریخ کی نقل کی بنیاد پر جو جناب شیخ زادہ اعظم شمس الدین محمد..............نے افغانستان کی ولایت سے جناب مغفرت مآب مرشد الزمان شیخ رضی الدین محمد سلمان رحمت اللہ کی لائبریری سے لائے'' یہ بات معلوم ہوئی کہ..............(40)

پھر لکھتے ہیں کہ ملک شمس الدین کرت نے ''افغانستان کے ایک قلعے بکر کا محاصرہ کیا''۔(41)

ظہیر الدین بابر (1483ء-1530ء) بھی افغانستان کا نام لیتے ہیں اور جب کابل کے بارے میں بات کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ''جنوب کو فرمل، نغر، بنوں اور افغانستان واقع ہیں''۔(42) ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ ''خواجہ اسمٰعیل، دشت، دوگی (دوکی) اور افغانستان کے پہاڑ ایک جیسے ہیں''۔(43) ایک اور جگہ اسی علاقے کو افغانستان کی سرزمین یا ملک کہتے ہیں اور لکھتے ہیں ''جس سال کابل اور غزنی پر قبضہ کیا کوہاٹ، دشت بنوں اور افغانوں کی زمینوں پر قبضہ کیا اور دوکی او آب ایستادہ کے راستے غزنی گیا''۔(44)

بابر کے تذکروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ لفظ افغانستان تو کیا لفظ افغانوں کی سرزمین بھی خاص معنوں میں استعمال کرتے ہیں اور اس میں وہ تمام علاقے شامل نہیں ہیں جہاں وہ خود افغان آباد سمجھتے ہیں۔

بابر کے بعد ان تاریخوں میں جو اس کی اولاد کے دور حکمرانی میں لکھے گئے ہیں۔ افغانستان کا نام بار بار آیا ہے۔

تاریخ شیر شاہی میں افغانستان کا نام دو دفعہ آیا ہے ایک جگہ شیر شاہ سوری کے دادا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''اس کا نام ابراہیم تھا.........(اور) سلطان بہلول کے زمانے میں افغانستان سے ہندوستان آیا تھا'' (45) ایک اور جگہ شیر شاہ کی خصوصیات کو بیان کرنے کے ضمن میں رقم دراز ہے کہ ''ہر افغان جب ملک افغانستان سے اس کے حضور حاضر ہوتا تھا نا قابل توقع اور بے حساب پیسے لاتا تھا''۔(46)

بدایونی کی منتخب التواریخ میں (تالیف 1595ء-1596ء) بھی افغانستان کا نام شیر شاہ کے حالات سے مربوط اس طرح درج ہے کہ ''شیر شاہ کا دادا...........افغانستان کے علاقے روہ سے ہندوستان آیا''۔(47) تاریخ فرشتہ میں افغانستان کا نام دو دفعہ مذکور ہے ایک جگہ درج ہے کہ ''سلطان شہاب الدین........... ہندوستان فوج لے گیا (اور) پشاور افغانستان، ملتان اور سندھ کے ممالک پر قابض ہوئے''۔(48)

تاریخ فرشتہ کے متن سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مؤلف نے غزنوی، غوری اور دیگر قدیم ادوار کے بارے میں مباحث حتیٰ عبارات اور الفاظ قدیم تاریخوں سے نقل کئے ہیں۔ البتہ یہ بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی کہ افغانستان کا نام بھی کسی قدیم تاریخ سے لیا گیا ہوگا، اگر کسی قدیم تاریخ سے نقل کیا ہو تو یقیناً افغانستان کا نام اس تاریخ کی تالیف سے بیشتر رواج ہوگا)۔ محمد قاسم فرشتہ ایک جگہ افغانستان کا نام ملتان میں شاہو افغان کی بغاوت کے واقعے کے ضمن میں لیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ افغانوں کے ایک سردار شاہو نے (ملتان) کا نائب بہزاد قتل کیا............ بادشاہ نے دہلی میں فوج تیار کی اور ملتان روانہ کی

لیکن جب ملتان کے قریب پہنچے شاہو ....افغانستان کے پہاڑوں کو بھاگ گئے''۔(49)

تاریخ خان جہانی ومخزن افغانی میں افغانستان کا نام تین مرتبہ درج ہے۔ایک جگہ لکھا گیا ہے کہ'' شیخ عمر جب جوان ہوئے تو بہت بڑے ولی بنے اور افغانستان کے بڑے بڑے مشائخ اور اولیاء میں سے ہوئے''۔(50)

تواریخ حافظ رحمت خانی میں جوخواجو ملیزئی کی تواریخ افاغنہ(تالیف 1033ھ ق) کی سادہ شکل ہے اور پیر معظم شاہ نے 1181ھ میں مرتب کی تھی میں افغانستان کا نام تسلسل کے ساتھ آیا ہے ایک جگہ خان کجو کی والدہ کے بارے میں درج ہے کہ اس کا'' نام بی بی مونده تھا اور اس جیسی خاتون افغانستان میں نہیں گزری''۔(51)

ملا عبدالباقی نہاوندی نے بھی مآثر رحیمی (1025ھ ق) میں لکھی تھی شاہو افغان کی بغاوت کے واقعے کے ضمن میں افغانستان کا نام لیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ'' شاہو افغان نے مخالفت کا پرچم بلند کیا.............. سلطان اسے مارنے کی غرض سے روانہ ہوئے ....شاہو..............افغانستان چلے گئے''۔(52)

ان تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ افغانستان کا نام چودہویں عیسوی صدی کی پہلی نصف سے لگا تار تحریری اسناد میں درج ہوتا رہا ہے اور جیسا کہ چودہویں عیسوی صدی کی پہلی نصف میں بالکل ایک مقرر حیثیت سے لکھے ہوئی تحریروں میں بار بار درج ہوا ہے لہٰذا یہ کہنے میں کوئی تحمل نہیں کہ یہ نام علاقے کے لوگوں میں ایک جغرافیائی احاطے کی حیثیت سے چودہویں عیسوی صدی کے بعد سے مروج ہے البتہ یہ کہ زمانہ قدیم میں 'افغانستان' کے نام کا اطلاق کن علاقوں پر ہوتا تھا، اس سوال کا جواب بھی بہت حد تک تحریری اسناد کے ذریعے دیا جا سکتا ہے۔

سیفی ہروی کے تاریخ نامہ ہرات، زمچی اسفزاری کی روضات الجنات کی بعض یاداشتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ 'افغانستان' اُس علاقے کو کہتے ہیں جو کندھار کے انتہائی

مغرب سے اباسین اور کشمیر سے بحیرہ عرب تک واقع ہے۔

سیفی ایک جگہ شمس الدین کے ایک فرمان سے متعلق لکھتے ہیں کہ ''فرمان......افغانستان کو حتیٰ کہ دریائے سندھ اور ہند کی حدود تک جاری کیا''۔(53)

ایک اور جگہ رقم دراز ہے کہ ''افغانستان کے تمام شہروں اور علاقوں حتیٰ کہ سندھ اور ہند کی سرحد تک ہمارے مالیے اور حکم نامے کو تسلیم کیا ہے''۔(54)

تاریخ نامہ کے اس اور دیگر عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرق کی طرف 'افغانستان' کا احاطہ ہند اور سندھ تک واقع ہے لیکن یہ کہ 'افغانستان' اور سندھ کے بیچ حد فاصل کونسی جگہ ہے؟ اس سوال کا جواب بھی سیفی کی اس عبارت سے عیاں ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ ''فرمان افغانستان کو دریائے سندھ تک جاری کیا'' اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ 'افغانستان' اور سندھ کے درمیان حد فاصل دریائے سندھ ہے۔

ایک اور بیان جس سے اس بات کی مزید وضاحت ہوتی ہے وہ قلعہ بکر کے بارے میں زیچی اور سیفی کے اظہارات ہیں۔ زیچی واضح طور پر بکر کو 'افغانستان' کا قلعہ کہتے ہیں کہ دریا میں سنگ ریز ریت کے پہاڑی پر واقع ہے۔(55) سیفی بھی بکر کو ایک شاندار قلعہ لکھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ایک عظیم دریا میں موجود ہے اور اس کے ہر طرف بڑی بڑی کشتی بندھی ہیں۔(56)

جو یادہانی بہت بعد میں ابوالفضل کی آئین اکبری میں (تالیف 1597ء 1598ء) قلعہ بکر کے بارے میں ہوئی ہیں وہ زیچی اور سیفی کی باتوں سے بہت قریب ہیں، ابوالفضل لکھتے ہیں کہ ''بکر ایک اہم چھاؤنی ہے جس میں............ چھ دریا اکٹھے ہونے کے بعد اس کے نیچے سے گزرے ہیں دریا کی ایک شاخ قلعہ کے جنوب سے اور شمال کی طرف سے گزرتا ہے''۔(57)

بکر اب بھی سندھ میں اسی مقام پر ایک معروف جگہ کا نام ہے، جیسا کہ ایک طرف سیفی اور زیچی اور ابوالفضل قلعہ بکر کا محل وقوع دریائے سندھ کے درمیان بتاتے ہیں اور

اس سلسلے میں بکر ایک معلوم اور معروف مقام ہے اور دوسری طر ، رمچی واضح طور پر جبکہ سیفی ضمناً بکر کو افغانستان کا ایک قلعہ کہتے ہیں لیکن پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ سیفی اور زمچی مشرق کی طرف 'افغانستان' کم از کم دریائے سندھ کے کنارے تک واقع سمجھتے ہیں۔

سیفی کی تحریریں جنوب کی طرف اپنے وقت کے افغانستان کی حدود بحیرہ عرب تک سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ ایک طرف وہ کنکان اور نھیر ان افغانوں سے شمس الدین کرت کے جھگڑے کو 'افغانستان' کا ایک اہم جھگڑہ سمجھتے ہیں اور دوسری طرف کہتے ہیں کہ یہ افغان قلعہ دوکی سے ستر فرسخ جنوب کی طرف آباد ہیں۔ (58)

کشمیر سے 'افغانستان' کی سرحد کا اشتراک سیفی کی ان عبارات سے پوری طرح عیاں ہوتا ہے جو کہ افغان شعیب سے متعلق لکھے ہیں۔

سیفی کہتے ہیں کہ شعیب اس سال جب ملک شمس الدین نے.........افغانستان پر حملہ کیا ولایت کشمیر کو پناہ لے گئے لیکن جب اس کو اطلاع ملی کہ ملک شمس الدین نے بہرام شاہ اور المبارز قتل کیے کشمیر کی حدود سے باہر ہوئے اور افغانستان گئے''۔ (59)

سیفی کی اس عبارت سے نہایت واضح طور پر عیاں ہے کہ افغان شعیب 'افغانستان سے بلا واسطہ کشمیر میں داخل ہوتے ہیں اور کشمیر سے بلا واسطہ 'افغانستان' میں داخل ہوتے ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ شمال مشرقی حصے میں 'افغانستان' کشمیر سے متصل ہے

سیفی کی عبارات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مغرب کی طرف 'افغانستان کا احاطہ کم از کم تکناباد تک جو کندھار کے علاقے کے مغرب میں واقع ہے، واقع سمجھتے ہیں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ '' ملک شمس الدین.........افغانستان سے تکناباد آئے'' (60) ایک اور جگہ بھی لکھتے ہیں کہ ''............ملک شمس الدین الحق والدین کرت افغانستان سے تکناباد آئے''۔ (61)

نتیجہ یہ کہ سیفی افغانستان کو عموماً وہ علاقہ سمجھتے ہیں جو قدیم کندھار کے انتہائی مغرب سے دریائے سندھ کے کنارے اور کشمیر سے بحرہ عرب کے ساحل سے متصل علاقوں

تک واقع ہے۔

البتہ بابر نے جس کے بارے میں پہلے عرض ہوا ہے لفظ 'افغانستان' کو بالکل الگ مفہوم میں استعمال کیا ہے لیکن بابر خاندان کے دور کے بعض مورخین 'افغانستان' اور 'روہ' مترادف الفاظ کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں اور 'روہ' 'افغانستان' کا ایک حصہ سمجھتے ہیں۔

تاریخ شیر شاہی کا مؤلف عباس سروانی ایک جگہ کہتے ہیں کہ افغان شیر شاہ کے حضور 'روہ' سے حاضر ہوئے تھے مثلاً یہ کہ 'روہ' کے دیگر افغان جو کہ ہر قوم اور قبیلے سے شیر شاہ کے پاس آئے تھے۔(62) ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ افغان افغانستان سے شیر شاہ کے دربار آئے تھے وہ الفاظ یہ ہیں ''ہر افغان جو افغانستان سے اس کے حضور حاضر ہوا''(63) نعمت اللہ ہروی 'روہ' اور 'افغانستان' وضاحت کے ساتھ مترادف الفاظ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''ان سب میں سے سود بن لالا کی اولادوں نے گانے بجانے کا پیشہ اختیار کیا اور اب تک یہ قبیلہ ولایت روہ یعنی افغانستان میں ہر شادی اور غم کے موقع پر لوگوں کی خدمت کرتا ہے''۔(64) لیکن عبدالقادر بدایونی افغانستان کے احاطے کو روہ سے وسیع سمجھتے ہیں اور 'روہ' کو افغانستان کا ایک حصہ کہتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ ''ابراہیم سور افغانستان کے علاقے روہ سے ہندوستان آئے''۔(65)

اس طویل تحقیق کے بعد اب قدیم دور سے جدید دور میں آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ عصرِ درانی کا افغانستان کون سا علاقہ ہے۔

دورِ احمد شاہ کے بعد افغانستان کے نام کا اطلاق ایک ایسے ملک پر ہوا ہے جس کے مخصوص سیاسی سرحدات ہیں لیکن یہ سرحدات اس دور کے بعد بار بار تبدیل ہوئی ہیں۔ انیسویں صدی کے اواخر میں (1891ء) انگریز بیلو افغانستان کی حدود اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''مشرق کی طرف افغانستان کی سرحد اباسین ہے اور گلگت سے بحیرہ عرب تک واقع ہے جنوب کی طرف اس کا سرحد بحیرہ (عرب) تک واقع ہے جنوب کی طرف اس کی

سرحد بحیرہ عرب ہے مغرب کی طرف اس کی سرحد فارس کی کرمان اور خراسان سے متصل ہے۔شمال کی طرف اس کی سرحد خوجہ صالح اور اباسین ہے اور بعد میں دشت خوارزم کے گزرتا ہے اور فارس کے علاقے خراسان تک جاتا ہے''۔(66)

البتہ 1891ء کے بعد افغانستان کی سرحدات میں اور بھی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں البتہ یہ کہ اس کے بعد کیا ہوگا اس بات کا انحصار افغانوں کی ہمت اور اقتصادی اور معنوی طاقت پر ہے۔

ماخذات وحوالہ جات

(1)۔ بیلو ہنری۔افغانستان کی قوم شناسی کے بارے میں مطالعہ۔صفحہ:4

(2)۔ کاکڑ۔حسن افغان۔افغانستان۔صفحہ:9

(3)۔ یزدی۔محمود افشار۔افغان نامہ جلد اول۔صفحہ:66

(4)۔ کاکاخیل ظفر۔پشتون تاریخ کی روشنی میں۔صفحہ:416

(5)۔ بیرونی۔تاریخ ہند،انگریزی ترجمہ ڈیورڈ ساشاو جلد اول۔صفحہ:208

(6)۔ قدیم کتب میں لفظ 'دھک' کسی جگہ کے نام کی حیثیت سے بار بار آیا ہے اور ایسا دکھائی دیتا ہے کہ ان کتب میں مختلف جگہوں کو دھک کے نام یاد کئے گئے ہیں لیکن جس جگہے کو غزنوی دور کے بعض مؤلفین اور شعراء مثلاً عبدالحئی گردیزی اور مسعود سعد سلمان دھک کے نام سے یاد کرتے ہیں اس کی موقعیت غزنی کے قریب دکھائی دیتا ہے،اب غزنی اور زرملی کے درمیان ایک جگہ دھک کے نام سے موسوم ہے لیکن یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہی گردیزی اور مسعود سعد کا دھک ہے۔

لیکن جس جگہ کو صیدنہ میں دھک کے نام سے موسوم کیا ہے وہ صیدنی کے ایک ناشر اور محشی زکی ولیدی توغان کے خیال میں افغانستان کا موجودہ ڈکہ ہے جو کہ صوبہ ننگرہار کے نہایت مشرق میں شاہراہ خیبر کے شروع میں واقع ہے۔

(7)۔ بیرونی۔صیدنہ انگریزی ترجمہ حکیم محمد سعید۔صفحہ:24

(8)۔ ایضاً صفحہ:173

(9)۔ اس نسخے میں یہ لفظ جبال الا فاعینیہ لکھا گیا ہے البتہ بیرونی اور دوسروں کی تحریروں اور خود نخبۃ الدہر کی عبارت کے انداز ے اور دیگر ناموں سے واضح طور پر دکھائی دیتا ہے کہ اس لفظ کی اصل شکل جبال الافاغنہ ہے۔

(10)۔ دمشقی شمس الدین ابن طالب الانصاری نخبۃ الدہر۔ صفحہ:20

(11)۔ سلمان مسعود سعد دیوان۔ صفحہ:418

(12)۔ فردوسی۔ ابوالقاسم شاہنامہ۔ صفحہ:541

(13)۔ طوسی۔ محمد بن محمود۔ عجائب المخلوقات۔ صفحہ:317

(14)۔ ازرقی۔ دیوان۔ صفحہ:51۔ تصحیح، مقابلہ او مقدمہ سعید نفیسی۔

(15)۔ مونسٹورٹ الفنسٹن، سلطنت کابل، صفحہ:152، حاشیہ نمبر:1

(16)۔ ہندی راورٹی ایشیاٹک سوسائٹی کی میگزین سال 1857ء نمبر 3 صفحہ:177

(17)۔ ہندی بیلو، افغانستان کی قوم شناسی کے بارے میں مطالعہ، صفحہ:199

(18)۔ کیرواولف، دی پٹھانز، صفحہ:439

(19)۔ عبداللہ تاریخ داؤدی، صفحہ:107

(20)۔ سروانی عباس، تاریخ شیر شاہی۔

(21)۔ احمد خواجہ نظام الدین۔ طبقات اکبری انگریزی ترجمہ، بی۔ ڈی۔ اے، جلد دوم، صفحہ:140

(22)۔ فرشتہ، تاریخ فرشتہ، انگریزی ترجمہ جان برگز، جلد دوم، صفحہ:61

(23)۔ ہروی نعمت اللہ تاریخ خان جہانی ومخزن افغانی، جلد اول، صفحہ:119-120

(24)۔ شیدا، کاظم خان، دیوان، صفحہ:928

(25)۔ صمیم محمد آصف، پٹہ خزانہ کا میزان، واقعی میزان ہے؟ صفحہ:39

(26)۔ خٹک خوشحال خان ارمغان خوشحال، صفحہ:728

(27)۔ تاریخ داؤدی، صفحہ:107

(28)۔ طبقات اکبری جلد دوم، صفحہ 140 تاریخ فرشتہ جلد اول، صفحہ:5، مخزن افغانی دوہم باب، صفحہ:120

(29)۔ راورٹی، افغانستان اور بلوچستان کے بارے میں یاداشتیں، صفحہ:2
ایشیاءٹک سوسائٹی کی میگزین سال 1857ء نمبر 3، صفحہ:178

(30)۔ درویزہ اخوند مخزن، صفحہ:132

(31)۔ ایضاً صفحہ:135

(32)۔ احمد شاہ بابا۔ دیوان، شروع سے صفحہ ف، متن، صفحہ:320 حاشیہ نمبر:2

(33)۔ ایضاً، صفحہ:321

(34)۔ کاکڑ پیر محمد دیوان۔ صفحہ:42

(35)۔ ایشیائی تحقیقات جلد:11، صفحہ:373

(36)۔ ہروی۔ سیفی تاریخ نامہ ہرات۔ صفحہ:196

(37)۔ ابن بطوطہ۔ سفرنامہ جلد اول۔ صفحہ:557

(38)۔ برنی۔ ضیاءالدین، تاریخ فیروز شاہی۔ صفحہ:482-483

(39)۔ سمرقندی۔ عبدالرزاق۔ مطلع السعدین مجمع بحرین۔ کابل کی انجمن تاریخ کا قلمی نسخہ۔ صفحہ:321

(40)۔ اسفزاری۔ معین الدین زمچی۔ روضات الجنات فی اوصاف مدینہ، ہرات۔ جلد اول صفحہ:161 تصحیح محمد کاظم امام۔

(41)۔ اسفزاری روضات الجنات پہلا حصہ۔ صفحہ:120، اہتمام وسعی محمد اسحاق۔

(42)۔ بابر۔ ظہیرالدین۔ بابرنامہ۔ انگریزی ترجمہ، انیتا بیورج۔ صفحہ:200

(43)۔ ایضاً۔ صفحہ:223

(44) ایضاً۔ صفحہ:218

(45)۔ تاریخ شیر شاہی۔ صفحہ:5

(46)۔ ایضاً۔ صفحہ:180

(47)۔ بدایونی عبدالقادر منتخب التواریخ۔ صفحہ:962

(48)۔ تاریخ فرشتہ انگریزی ترجمہ جان برگز جلد اول۔ صفحہ:88

(49)۔ ایضاً۔ صفحہ:452

(50)۔ تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی، ضمیمہ۔ صفحہ:846

(51)۔ تواریخ حافظ رحمت خانی۔ صفحہ:141

(52)۔ نھاوندی۔ عبدالباقی، مآثر رحیمی، جلد:1، صفحہ:351

(53)۔ تاریخ نامہ ہرات۔ صفحہ:164

(54)۔ ایضاً۔ صفحہ:263

(55)۔ روضات الجنات جلد 1، صفحہ:416 تصحیح محمد کاظم امام

(56)۔ تاریخ نامہ ہرات۔ صفحہ:250-252

(57)۔ ابوالفضل آئین اکبری انگریزی ترجمہ آچ جریت

(58)۔ تاریخ نامہ ہرات، صفحہ:221-223

(59)۔ ایضاً، صفحہ:208

(60)۔ ایضاً، صفحہ:207

(61)۔ ایضاً، صفحہ:227

(62)۔ تاریخ شیر شاہی، صفحہ:127

(63)۔ ایضاً، صفحہ:180

(64)۔ تاریخ خان جہانی و مخزن افغانی، جلد دوم، صفحہ:609

(65)۔ منتخب التواریخ، صفحہ:246

(66)۔ افغانستان کی قوم شناسی کا مطالعہ، صفحہ:3

انڈکس

اشخاص

(آ)

(الف)

〈د〉

﴿ڈ﴾

﴿ر﴾

﴿ز﴾

﴿س﴾

﴿ش﴾

﴿ص﴾

﴿ط﴾

﴿ظ﴾

﴿ع﴾

﴿ق﴾

﴿ک﴾

﴿گ﴾

﴿ل﴾

﴿م﴾

جغرافیہ

﴿آ﴾

﴿الف﴾

﴿ج﴾

﴿چ﴾

﴿ح﴾

﴿خ﴾

کتب

﴿آ﴾

(ب)

(پ)

(ت)

﴿م﴾

﴿ن﴾

﴿ہ﴾

حوالہ جات

(1) سلمان مسعود سعد، دیوان تصحیح رشید یاسمی تہران 1318ھ ش

(2) کاکاخیل بہادر شاہ ظفر۔ پشتون تاریخ کی روشنی میں پشاور 1964ء

(3) فردوسی ابوالقاسم۔ شاہنامہ موسئہ چاپ وانتشارات امیر کبیر 1341ھ

(4) طوسی۔ محمد بن محمود بن احمد۔ عجائب المخلوقات۔ اہتمام ڈاکٹر منوچھر ستودہ تہران 1345ھ ش۔

(5) ہروی سیف بن یعقوب ہروی مشہور بہ سیفی۔ تاریخ نامہ ہرات تصحیح محمد زبیر صدیقی کلکتہ 1943ء

(6) اسفزاری۔ معین الدین محمد زمچی، روضات الجنات فی اوصاف مدینہ، ہرات تصحیح۔ حواشے اور تعلیقات کاظم امام تہران 1326ھ ش۔

(7) ایضاً۔ اہتمام محمد اسحٰق کلکتہ 1961ء۔

(8) ہروی خواجہ نعمت اللہ بن خواجہ حبیب اللہ۔ تاریخ خان جہانی ومخزن افغانی، تصحیح۔ تنقیع اور مقدمہ سید امام الدین ڈھاکہ 1860ء

(9) معظم شاہ۔ پیر۔ تواریخ حافظ رحمت خانی۔ دیباچہ محمد نواز طائر پشاور 1987ء۔

(10) نہاوندی ملا عبدالباقی۔ ماثر رحیمی تصحیح محمد حسن ہدایت جلد 1 کلکتہ 1924ء۔

(11) عبداللہ تاریخ داؤدی تصحیح شیخ عبدالرشید۔ علی گڑھ 1954ء۔

(12) شیدا کاظم خان دیوان مرتب ومترجم سید انوار الحق پشاور 1966ء

(13) خٹک خوشحال خان۔ارمغان خوشحال۔مقدمہ سید رسول رسا پشاور (سال اشاعت واضح نہیں ہے)

(14) رشید الدین فضل اللہ۔جامع التواریخ اہتمام احمد آتش انقرہ 1957ء۔

(15) بکران۔محمد نجیب۔جہاں نامہ۔سعی محمد امین ریاحی تہران 1345ھ ش

(16) بلخی۔عنصری۔دیوان۔سعی محمد دبیر سیاقی تہران 1342ھ ش

(17) رونی، ابوالفرج۔دیوان اہتمام محمود مہدوی اہتمام مغانی تہران 1347ھ ش۔

(18) طوسی، اسدی، لغت فرس، تصحیح و اہتمام عباس اقبال تہران 1319ھ ش۔

(19) تبریزی حسین بن خلف۔برہان قاطع۔اہتمام ڈاکٹر محمد معین تہران 1362ھ ش۔

(20) اثیر ابن عزالدین علی کامل ترجمہ ابوالقاسم حالت اور علی ہاشمی حائری تہران 1352ھ ش۔

(21) برنی، ضیاء الدین تاریخ فیروز شاہی لاہور 1974ء۔

(22) سمرقندی۔کمال الدین۔عبدالرزاق۔مطلع السعدین مجمع بحرین تصحیح محمد شفیع لاہوری، لاہور 1360ھ ش۔

(23) ایضاً۔انجمن تاریخ کابل کا قلمی نسخہ۔

(24) فرشتہ۔محمد قاسم، تاریخ فرشتہ (میں نے تاریخ فرشتہ کے اس فارسی نسخے سے استفادہ کیا ہے جو کابل کی پبلک لائبریری میں موجود اور زرد کاغذ پر چھاپ شدہ ہے۔کتاب کی سال اشاعت اور مقام کو اپنی یادداشتوں میں نہیں ڈھونڈ سکا۔جیسا کہ یہ یادداشتیں میں بہت پہلے نقل کر چکا ہوں اور کئی دفعہ ایک کاغذ سے دوسرے کاغذ پر منتقل کرتا رہا ہوں لہٰذا ممکن ہے کہ صفحہ نمبر کا غلط اندراج ہوا ہو، لیکن جو کچھ اس کتاب سے میں نقل کر چکا ہوں وہ اصل مسودے کے عین مطابق ہیں اور اس میں رتی بھر فرق نہیں۔

(25) بدایونی۔عبدالقادر ملوک شاہ۔منتخب التواریخ۔ترجمہ محمود احمد فاروقی۔پشاور 1962ء

(26) درویزہ۔اخوند۔مخزن۔مقدمہ سید تقویم الحق کاکاخیل پشاور 1987ء۔

(27) درویزہ۔اخوند۔تذکرۃ الابرار والاشرار۔پشاور (سال اشاعت درج نہیں ہے)۔

(28) بطوطہ۔ابن۔سفرنامہ۔ترجمہ ڈاکٹر محمد علی موحد۔تہران 1348ھ ش۔

(29) یزدی۔مولانا شرف الدین۔ظفرنامہ تصحیح واہتمام محمد عباس تہران 1336ھ ش۔

(30) صمیم محمد۔آصف۔پٹہ خزانہ فی المیزان واقعی میزان ہے؟ پشاور 1990ء۔

(31) گردیزی۔عبدالحئی بن ضحاک محمود۔تاریخ گردیزی۔تصحیح مقابلہ۔تحشیہ اور تعلیقات عبدالحئی حبیبی تہران 1363ھ ش۔

(32) سنوی شہاب الدین۔محمد خزندری زیدری۔سیرت جلال الدین منکبرنی۔تصحیح۔مقدمہ اور تعلقات مجتبیٰ مینوی تہران 1344ھ ش۔

(33) بیہقی۔خواجہ ابوالفضل محمد۔تاریخ بیہقی اہتمام ڈاکٹر قاسم غنی اور ڈاکٹر فیاض تہران 1324ھ ش۔

(34) فخر مدبر۔مبارک شاہ۔محمد بن منصور بن سعید۔آداب الحرب والشجاعہ۔تصحیح و اہتمام احمد سہیل خوانساری تہران 1346ھ ش۔

(35) دمشقی۔شمس الدین ابن عبداللہ محمد بن ابی طالب الانصاری نخبۃ الدہر۔(اس کتاب کی سال اشاعت اور مقام مجھ سے اپنی یاداشتوں میں گم ہوئی ہیں البتہ جس نسخے سے میں نے استفادہ کیا ہے وہ الونائی یونیورسٹی کے ہائر ایجوکیشن کی لائبریری کے غیر منظم شدہ کتابوں میں موجود تھا)۔

(36) بیرونی۔ابوریحان۔صفتہ المعمورہ۔اہتمام ذکی ولیدی توغان دہلی 1937ء۔

(37) حدود العالم من المشرق الی المغرب ترجمہ میر حسین شاہ کابل 1342ھ ش۔

(38) میرخواند۔تاریخ روضۃ الصفا۔تہران1980ء۔

(39) جرفادقانی۔ابواشرف ناصح بن ظفر۔ترجمہ تاریخ یمینی۔اہتمام جعفر شعار۔
تہران1345ھ ش۔

(40) حافظ رحمت خان،خلاصۃ الانساب۔دیباچہ اور ترجمہ محمد نواز طائر پشاور
1973ء۔

(41) کاکڑ۔حسن۔افغان۔افغانستان۔پشاور1988ء۔

(42) یزدی۔محمود افشار۔افغان نامہ۔تہران۔1980ء۔

(43) کتبی محمود۔تاریخ آلمظفر۔اہتمام اور تحشیہ عبدالحسین نوابی تہران
1335ھ ش۔

(44) جوینی۔علاؤالدین عطاء ملک۔تاریخ جہانکشائی سعی۔اہتمام اور تصحیح محمد
عبدالوہاب قزوینی۔لندن1911ء۔

(45) قزوینی۔حمداللہ بن ابی بکر مستوفی۔تاریخ گزیدہ اہتمام ڈاکٹر عبدالحسین نوائی
تہران1339ھ ش۔

(46) ازرقی۔دیوان۔تصحیح۔مقابلہ اور مقدمہ سعید نفیسی تہران1336ھ ش

(47) بیرونی۔کتاب الجماہر فی معرفتہ الجواہر۔حیدرآباد دکن1355ھ ش۔

(48) سیستانی۔فرخی۔دیوان بہ اہتمام محمد دبیر سیاقی تہران1335ھ ش۔

(49) احمد شاہ بابا۔دیوان۔مقدمہ۔توضیحات۔دیباچہ اور تصحیح عبدالحیٔ حبیبی کابل
1319ھ ش۔

(50) حبیبی۔عبدالحیٔ۔افغانستان بعد از اسلام۔دوم ایڈیشن کابل۔1357ھ ش۔

Schleicher, A Zur Sprachengeschichte. Bonn: H.B. Konig, 1848.

Sprengling, M. "Shahpuhr I, the Great on the Kaabah of Zoroaster (KZ)." The American Journal of Semitic Languages and Literatures. Vol. L VII, October 1940, Number 4. p. 341+

Trumpp, Ernest . Grammar of the Pashto or Language of the Afghans. London: Trubner and Co., 1873.

Vansittart, Henry. "A Letter to the President." Asiatick Researches. Vol. 2. 1740. p. 67 +

Varahamihira. The Brhat-Sanhita. Trans. H. Kern. London: Royal Asiatic Society, 1869.

tion Committee and J. Murray, 1836.

Raverty, H.G. A Dictionary of Pukhto, Pushto, or Language of the Afghans. 1901. Peshawar: Saeed Book Bank and Subscription Agency, 1982.

Raverty, H.G. A Grammar of the Pukhto, Pushto, Language of the Afghans. London: 1860.

Raverty, H.G. Notes on Afghanistan and Part of Baluchistan: Geographical, Ethnographical, and Historical. London: Eyre and Spottiswoode, 1888.

Raverty, H.G. "Ruh." Journal of the Asiatic Society. No. III. 1857.

Raverty, H.G. "Some Remarks on the Origin of the Afghan People." Journal of the Royal Asiatic Society of Bengal. No. 6.1854.

Robins, R.H. A short history of linguistics Bloomingtona: Indian University press, 1967.

Rose, G.H. The Afghans, the Ten Tribes, and the Kings of the East. London: Hatchards, 1852.

Sarwani, Abbas Khan. The Tarikh-i-Sher Shahi. Vol. II. Trans . S.M Imam al-Din. Dacca: University of Dacca, 1964.

Schleicher. A. Die Sprachen Europas. Bonn: H.B. Konig. 1850.

Leach, Robert. " A Grammar of the Pashtoo, or Afghanee Language." Journal of the Asiatic Society of Bengal. Vol VIII, 1838. p.1 +

Leyden, J. "On the Rosheniah Sect, and its Founder Bayezid Ansari." Asiatick Researches. Vol XI, 1812. p. 363 +

Loewenthal, Isidor. "Is Pushto a Semitic Language." Journal of the Asiatic Society. No. IV. 1860. p. 321+

Malcolm, John, History of Persia. Vol. I. London: John Murray and Longman and Co., 1815. 2 vols.

Masson, Charles. Narrative of Varios Journeys in Balochistan, Afghanistan, and the Panjab. Vol. 1. Karachi and London: Oxford University Press. 1974. 3 vols.

Moorcroft, William, and George Trebeck. Travels in the Himilayan Provinces of Hindustan and the Panjab: in Ladakh and Kashmir: in Peshawar, Kabul, Kunduz and Bokhara: from 1819 to 1825. Vol. II. Comp. Horace Hayman Wilson. London: John Murray, 1841. 2 vols.

Muller, Max. The Languages of the Seat of War in the East. 2nd. ed. London: Williams and Norgate, 1855.

Neametullah. History of the Afghans. Parts 1 and 2. trans, Bernhard Dorn. London: Oriental Transla-

Gankovsky, Yu. V. The People of Pakistan. Trans. Igor Gavrilov. Lahore: The People's Publishing House.

Gregorian varton The Emergence of Modern Afghanistan, stanford. California:stanford unicersity press, 1968.

Grierson, G.A. ed. Linguistic Survey of India. vols. 1 and 10 . 1921. Delhi: Motilal Banarsidass, 1968.

Hoernle, A.F. Rudolf. Comparative Grammar of the Gaudian Languages. London. Trubner and Co., 1880.

The Jewish Encyclopedia. 1901. New York: Funk and Wagnalls Company, 1952.
Jones, William. "Note by the President." Asiatick Reseraches. Vol. 2. 1740. p. 76

(Jozjani), Maulana Minhaj-ud-din Abu-umar-i-Usman. Tabakat-I-Nasiri. Vols, I and II . Trans. H.G. Raverty. 1881. New Dehli: Oriental Books Reprint Corporation, 1970.

Keppel, George. Personal Narrative of a Journey from India to England in 1824. London. Henry Colburn, 1827.

Krusinski, Judasz Tadeusz. Chronicles of a Traveller. Trans. George Newnham Mitford. London: James Ridgway, 1840.

Caroe, Olaf. The Pathans: 550 B.C. - A.D. 1957. London, MacMillan and Company Limited, and New York: St. Martin's Press, Inc., 1958.

Cunningham, Alexander. Ancient Geography of India. Ed. Surendranah Majumdar Sastri. Calcutta: Chuckervertty, Chatterjee: & Co., Ltd., 1924.

Devere, M. Schele. Outlines of Comparative Philology. New York: G.P. Putnam and Co., 1853.

Dorn, Bernard. A Chrestomathy of the Pushto or Afghan Language. Petersburg: 1847.

Du Cerceau, Jean Antoine. The History of the Late Revolutions of Persia. Vol. 1.2nd ed. 1740. London: Arno Press, Inc. 1973.

Elphinstone, Mountstuart. An Account of the Kingdgom of Caubul and its Dependencies in Persia, Tartary, and India. Notes Alfred Janata. 1815. Graz Austria: Akademische Druck - u. Verlagsanstalt, 1969.

The Encyclopedia of Islam. New Edition. London: Luzac and Co., 1960.

Ferishta, Mahomed Kasim. History of the Rise of the Mahomedan Power in India Till the Year A.D. 1612. 1829. Vol. I. Trans. John Briggs. Calcutta: Editions Indian, 1908, 1966. 4 vols.

REFERENCES

Abul Fazl, Ain-i- Akbari. Trans. H.S. Jarrett. Ed Sarkar, Jadu-nath, 2nd. ed. Vol II. Calcutta, Bibliotheca Indica, Royal Asiatic Society of bengal, 1949.

Alberuni, Aburayhan. Alberuni's India. Vols 1 and II. Trans. Edward C. Sachau. 1910. New Dehli. Oriental Books Reprint Corporation. 1983

AL- Briuni's Book on Pharmacy and Materia Medica, Ed. and Trans. Hakim Mohammad said karachi Hamdard National Foundation, 1973.

The- Babur-Nama. Vol.I and Vol. II in one format Trans. Annette Susannah Beveridge.
New Delhi: Oriental Books Reprint Corporation Book Publishers, 1970.

Bellew, Henry W. An Inquiry into the Ethnography of Afghanistan. 1891, Karachi: Indus Publications, 1977.

Bellew, Henry W. The Races of Afghanistan. 1908, Lahore: Sheikh Mubarak Ali, 1976.

Burnes, Alexander. Cabool. 1841. Lahore: 1961.

Burnes, Alexander, Travels into Bokhara. Vol. I and II. 1834, London. Oxford University Press, 1973. 3 Vols.
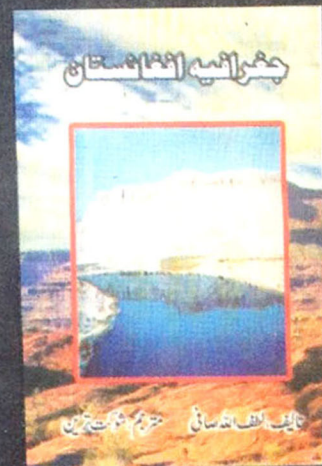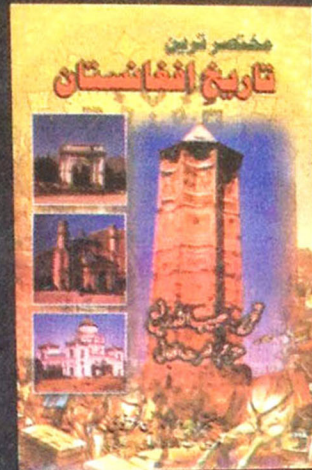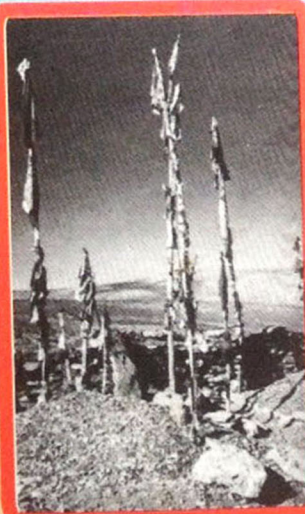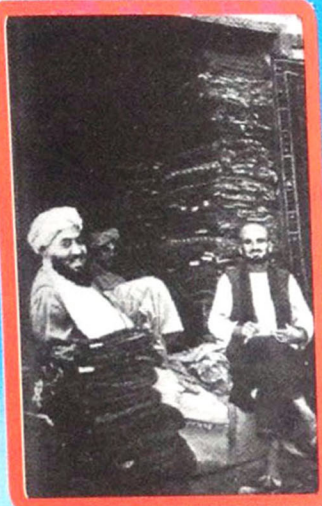
مختصر ترین
تاریخ افغانستان
جغرافیه افغانستان
غزنوی
غزنوی خپرندویه ټولنه
کندهاري بازار، کوټه
بریښنا لیک : Ghaznavikitabtoon@yahoo.com
۰۳۲۰۴۷۹۲۷۴۰
Design: Ghaznavi Mob: 03204792740
Mr.Books